جلد 15 شمارہ 3 مارچ 2013ء ربیع الثانی / جمادی الاول 1434ھ

ماہنامہ

فلاحِ آدمیت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض و مقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب و عرفان اور اس کی رضا و لقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد و بغض، تجسّس و غیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم و رضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل و عیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

فلاحِ آدمیت

گوجرانوالہ

نگران و سرپرست
محمد صدیق ڈار
توحیدی صاحب
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ
0300-6493335

مدیر	احمد رضا خان 0321-6400942
نائب مدیر	سید رحمت اللہ توحیدی 0333-4552212
معاون مدیر	خالد محمود توحیدی 0300-7374750
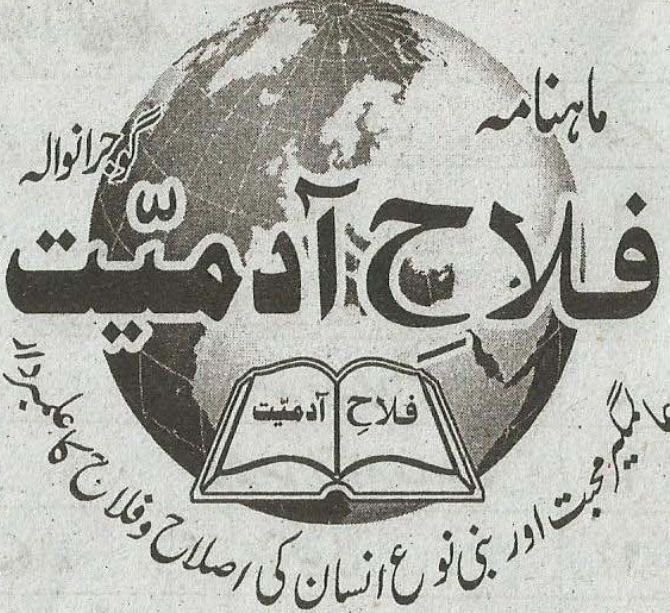
مجلس ادارت

خالد مسعود، پروفیسر منیر احمد لودھی
ائیر کموڈور (ر) اعجاز الدین
پیر خان، عتیق احمد عباسی
ایم طالب، عبدالقیوم ہاشمی
پروفیسر غلام شبیر شاہد

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ
مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
Ph:055-3862835/055-4005431
فیکس نمبر: +92-55-3736841 ای میل: info@toheedia.net

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ -/30 روپے سالانہ فنڈ -/300 روپے

اس شمارے میں

دل کی بات

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "ایک بندہ اپنے بھائی سے ملنے دوسری بستی میں جا رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ اُس کے راستے میں ایک فرشتہ بھیجتے ہیں جو اس سے پوچھتا ہے کہ تم کہاں جا رہے ہو۔ وہ شخص جواب دیتا ہے کہ میں ساتھ والی بستی میں اپنے بھائی سے ملنے جا رہا ہوں فرشتہ سوال کرتا ہے کہ کیا آپ کا اس شخص پر کوئی احسان ہے جس کا بدلہ آپ لینے جا رہے ہیں (یعنی کوئی غرض ہے) وہ جواب دیتا ہے کہ نہیں بلکہ میں اُس سے صرف اللہ کے واسطے کی محبت رکھتا ہوں جس پر فرشتہ اُس شخص کو یہ خوشخبری دیتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا نمائندہ ہوں جس طرح تو اپنے بھائی سے محبت رکھتا ہے۔ اُسی طرح اللہ تعالیٰ بھی تم سے محبت رکھتے ہیں۔" **(رواہ مسلم)**

اس مادی دنیا میں رہتے ہوئے رشتوں اور معاملات میں کوئی مادی غرض نہ رکھنا انتہائی مشکل اور کٹھن کام ہے۔ موجودہ دور میں مادیت پسندی اور نفسا نفسی اپنے عروج پر ہے حتیٰ کہ رحمی رشتوں مثلاً ماں باپ یا سگے بہن بھائیوں کے درمیان وہ تعلقات جو کبھی خلوص، ایثار اور قربانی کا استعارہ ہوتے تھے۔ وہ بھی آج مادی اغراض سے پاک نہیں رہے۔ آج ہر آدمی صرف اسی جگہ تعلقات بناتا اور قائم رکھتا ہے جہاں اُسے کوئی مادی فائدہ نظر آتا ہو۔ ان حالات میں اگر کوئی شخص اپنا وقت پیسہ تعلقات اور صلاحیتیں خالصتاً اللہ کے لئے استعمال کرتا ہے تو یقیناً ہم مذکورہ بالا حدیث کی روشنی میں کہہ سکتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب یعنی ولی ہے۔ ایسے تعلقات جو اللہ کے نام پر قائم ہوں اللہ کے نزدیک بہت زیادہ قدر و منزلت رکھتے ہیں اور اللہ کی رضا کا باعث بننے کے ساتھ ایک اضافی فائدہ جو حاصل ہوتا ہے (اگرچہ اس کی نیت نہیں ہوتی) وہ یہ ہے کہ دنیاوی امور میں بھی اللہ تعالیٰ ان تعلقات کے ذریعے آسانی اور سہولت پیدا فرما دیتے ہیں۔ ہمیں بحیثیت توحیدی اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ ہم ایک ایسی جماعت سے منسلک ہیں جہاں ہمیں

خالص اللہ کے واسطے کے تعلقات بنانے اور ان کو پروان چڑھانے کے وافر مواقع میسر ہیں۔

بانیٔ سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاری ؒ نے بارہا فرمایا کہ توحیدی بھائیوں کی باہمی محبت سگے بھائیوں سے بھی بڑھ کر ہونی چاہیے اور یقیناً ایسا ہی ہے۔ اس دور میں ایسے بے لوث تعلقات کا ہونا اللہ کا خاص فضل اور انعام ہے اور یہ ایسی خوش نصیبی ہے جس سے ہمارے اردگرد بسنے والے ہزاروں لاکھوں لوگ محروم ہیں۔ خواجہ عبدالحکیم انصاری ؒ نے بیعت نامہ کے مندرجات باربار پڑھنے کا جو حکم دیا ہے اس کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ ہم سلسلے کی تعلیمات کو شعوری طور پر اختیار کرلیں اور ہمارے تعلقات کی بنیاد "اللہ" بن جائے۔ بلکہ آپ ؒ نے ہفتہ وار محفل ذکر کے بعد "خوب گپ شپ" کی جو اصطلاح استعمال کی ہے اس کا یہی مطلب ہے کہ ہم ایک دوسرے کے معاملات سے اس حد تک آگاہ ہوں کہ کسی بھائی کی تنگی اور آسانی میں اُس کی امداد سے پیچھے نہ رہیں اب جب کہ ہمارے پاس سلسلہ توحیدیہ کی شکل میں لوگوں سے اللہ تعالیٰ کے لیے تعلقات رکھنے کا بہانہ اور پلیٹ فارم ہے تو اس پر ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم خیر کی اس دعوت کو اپنی ذات تک محدود نہ رکھیں بلکہ زیادہ سے زیادہ افراد تک پہنچائیں اور اُنہیں بتائیں کہ تعلقات کی ایک نوعیت یہ بھی ہوتی ہے کہ جس میں سوائے اللہ کے کوئی اور غرض، مفاد اور لالچ پوشیدہ نہیں ہوتا۔

اسی ضمن میں ایک موقع ہمیں اپریل کے مہینے میں گوجرانوالہ میں منعقد ہونے والے سلسلہ توحیدیہ کے سالانہ اجتماع کے ذریعے ملنے والا ہے جہاں ہم اپنی نیت کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کرکے خود تو شریک ہوں گے ہی وہیں ہمیں چاہئے کہ دوسرے احباب کو بھی اس بابرکت روحانی اجتماع میں شرکت پر آمادہ کریں اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور محبت حاصل کرنے کا آسان نسخہ فراہم کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے معاملات میں مزید اخلاص عطا فرمائے۔ آمین

والسلام!

احمد رضا خان

مدیر

درسِ قرآن

سیّد قطب شہیدؒ **ترجمہ:** مولانا ساجد الرحمٰن صدیقی

لَآ إِكْرَاهَ فِى ٱلدِّينِ قَد تَّبَيَّنَ ٱلرُّشْدُ مِنَ ٱلْغَىِّ فَمَن يَكْفُرْ بِٱلطَّٰغُوتِ وَيُؤْمِنۢ بِٱللَّهِ فَقَدِ ٱسْتَمْسَكَ بِٱلْعُرْوَةِ ٱلْوُثْقَىٰ لَا ٱنفِصَامَ لَهَا وَٱللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ(البقرہ آیت -256)

"دین (کے معاملہ) میں کوئی زبردستی نہیں ۔ بیشک ہدایت ،گمراہی کے مقابلے میں بالکل واضح ہوچکی ہے ۔جس شخص نے طاغوت کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لایا تو اس نے تھام لیا ایک مضبوط سہارا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے ۔"

لااکراہ فی الدین

دین کی راہ دل کے اعتقاد و یقین کی راہ ہے اور اعتقاد، دعوت و موعظت سے پیدا ہوتا ہے نہ کہ جبر و اکراہ سے ۔اسلام میں جبر و اکراہ و زبردستی نہیں ہے بلکہ یہ دین پوری قوت و توانائی کے ساتھ عقل انسانی کو مخاطب کرتا ہے ،فکر و شعور کو جھنجھوڑتا ،دنیائے وجدان کو بیدار کرتا اور پوشیدہ فطرت سے ہم کلام ہوتا ہے ۔اسلام انسان کے سارے وجود کو اور ادراکِ بشری کے تمام پہلوؤں کو مخاطب کرتا ہے اور اس کے سامنے بطور خرقِ عادت مادی معجزے پیش کر کے اسے بلا فہم و شعور قبول اسلام پر مجبور نہیں کرتا ۔اسلام جو اس کائنات کا سب سے بہترین تصور اور انسانیت کیلئے اعلیٰ ترین منہاج زندگی ہے وہ اپنے ماننے والوں سے کہتا ہے لوگوں کو قبول اسلام پر مجبور نہ کریں ۔ کیونکہ دعوت کی راہ تلقین و ہدایت کی راہ ہے ۔داعیِ حق کا طریقہ یہ نہیں ہوتا کہ مخاطب کو دلیلوں کے الجھاؤ میں پھنسا دے یا کسی خاص دلیل میں اڑ کر اس کا ناطقہ بند کر دے، بلکہ وہ چاہتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح اس کے دل میں سچائی اُتر جائے ۔اسلام میں اکراہ اور زبردستی کی مطلقاً نفی کی گئی ہے ۔

نعمت ایمان

ایمان ہی ایسی قیمتی شئے ہے جس کی انسان کو آرزو کرنی چاہیے اور کفر و گمراہی سے

انسان کو پہچنا چاہیے جو شخص بھی نعمت ایمان پر غور وفکر کرے کہ اس ایمان سے انسانی شعور کو کس قدر واضح اور روشن تصور زندگی مل گیا ہے۔ قلب انسانی کو کس قدر سکون و اطمینان میسر آ گیا ہے۔ انسانی معاشرہ کیلئے کس قدر اعلیٰ وارفع زندگی کو نشو ونما دینے والا نظام حیات مل گیا ہے۔ اگر کوئی دل کی گہرائی سے غور کرے تو وہ یقیناً ہدایت اور رشد کو قبول کر کے اطمینان رفعت اور سلامتی میں داخل ہو جائیگا۔

طاغوت

طاغوت طغیان سے بنا ہے جس کے معنی سرکشی ہے۔ جو شخص اللہ کی مقرر کردہ حدود کو توڑے وہ سرکش اور طاغوت ہے یعنی طاغوت ہر وہ باطل قوت ہے جو اللہ کے مقابلہ میں اپنا حکم دوسرے سے منوائے یا لوگ اللہ کے مقابلے میں اسکے احکام تسلیم کرنے لگیں خواہ وہ کوئی ایک فرد ہو یا کوئی گروہ۔ طاغوت واحد اور جمع دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اس معنی کے لحاظ سے ہر وہ نظام زندگی، تصور حیات، ادب، معاشرت اور روایت طاغوت ہے جو اللہ کی بتائی ہوئی صراط مستقیم سے منحرف ہو۔ انسان کا اپنا نفس بھی طاغوت ہو سکتا ہے جبکہ وہ اللہ کی نافرمانی کر رہا ہو اور جو شخص ان طاغوتوں سے انکار کر کے صرف اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ رہے وہ نجات پا گیا۔

ایمان، اللہ اور بندے کے درمیان ایک ایسا مضبوط تعلق ہے جو کبھی نہیں ٹوٹتا۔ یہ سہارا کبھی منقطع نہیں ہوتا۔ اس راہ پر چلنے والا کبھی گمراہ نہیں ہوتا۔ یہ تعلق، سہارا اس ذات کے ساتھ وابستہ ہے جو ہلاکت اور نجات کا دونوں ہی کا مالک، مختار ہے۔ جس نے اس سہارے یعنی رسی کو مضبوطی سے تھام لیا وہ ہدایت ربّانی پالے گا۔ اور راہ کی ہر گمراہی اور بہکنے اور بھٹکنے سے محفوظ ہو جائیگا۔ اللہ تعالیٰ زبان سے نکلنے والی ہر بات سنتا ہے اور دلوں کے ہر راز پنہاں سے واقف ہے جس مؤمن کا اس سے تعلق استوار ہے وہ نہ ناکام ہوگا نہ اس پر ظلم ہوگا اور نہ وہ نامراد ہوگا۔

تصوّف

(خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

تصوّف نے پہلے مسلمانوں کے عقائد اور پھر اعمال پر اس قدر اثر ڈالا ہے کہ آج غالباً ایک فرد واحد بھی اس سے بچا ہوا نہیں خواہ وہ تصوف کا قائل اور معتقد ہو یا نہ ہو۔ لیکن لطف یہ ہے کہ نہ تو قرآن میں لفظ تصوف کا کہیں نام ونشان ہے نہ حدیث میں کہیں تصوف کی مروجہ تعلیم کا ذکر آیا ہے پھر یہ کہاں سے نمودار ہوا اور کیونکر ہمارے عقائد و اعمال پر اس طرح چھا گیا کہ خود قرآنی تعلیم بھی غائب ہو گئی۔ اور یہ ہے کیا؟۔

جس کسی نے تصوف کی تحقیق پر قلم اٹھایا اس نے اس کی وجہ تسمیہ کی چھان بین پر صفحے کے صفحے کالے کر دیئے۔ ہم اس کو بیکار سمجھتے ہیں۔ وجہ تسمیہ کچھ بھی ہو ہمیں دیکھنا چاہئے کہ اس علم کا موضوع کیا ہے۔ چنانچہ جو شخص تصوف کی مبادیات سے بھی واقف ہے وہ خوب جانتا ہے کہ اس علم کا موضوع بالکل وہی ہے جو فلسفہ کا ہے۔ یعنی حقیقت کا معلوم کرنا یا پھر یہ جاننا کہ مادہ کیا ہے؟ روح کیا ہے؟ انسان کیا ہے؟ عقل اور نفس کیا ہیں؟ مرنے کے بعد روح بھی مر جاتی ہے یا باقی رہتی ہے؟ جنت اور دوزخ وغیرہ ہیں بھی یا نہیں اور ہیں تو ان کی حقیقت کیا ہے؟ ان سب کا بنانے والا کوئی ہے یا نہیں؟ ہے تو کیسا ہے؟ کہاں ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

اب فلسفہ و تصوف میں فرق یہ ہے کہ فلسفہ میں ان باتوں کو جاننے کی کوشش بذریعہ عقل یعنی صحیح منطقی استدلال اور استنباط نتائج سے کی جاتی ہے۔ لیکن تصوف میں یہ کوشش چند ایسی مشقوں اور اعمال سے ہوتی ہے جن سے کچھ باطنی حواس اور روحانی قوتیں جاگ اٹھتی ہیں اور مقاصد مطلوبہ کے حصول میں مدد دیتی ہیں۔ ان مشقوں اور اعمال کا ذکر کرنے سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ قرآن میں بھی اس علم کا ذکر ہے یا نہیں؟ اس میں شک نہیں کہ قرآن میں لفظ تصوف کہیں بھی موجود نہیں بلکہ سرکار دو عالم ﷺ کی وفات کے بعد تقریباً پونے دو سو برس تک اسلامی تاریخ یا

کسی اور کتاب میں بھی یہ لفظ نہیں پایا جاتا۔ لیکن قرآن میں کئی جگہ ایک اور لفظ آیا ہے جس کا موضوع بالکل وہی ہے جو تصوف کا ہے۔ یہ لفظ ''حکمت'' ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلاً مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ. (البقرہ 151)

یعنی ''ہم نے تم ہی میں سے تمہاری طرف ایک رسول بھیجا جو تم کو ہماری آیتیں پڑھ کر سناتا اور پاکیزہ بناتا ہے اور سکھاتا ہے تم کو کتاب و حکمت اور وہ باتیں جو تم نہیں جانتے تھے''۔ اس آیت کے علاوہ بالکل یہی بات سورہ ''آل عمران'' اور سورہ ''جمعہ'' میں بھی ارشاد ہوئی ہے۔ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ پہلے تو قرآن کی آیات پڑھ کر سناتے اور پھر سکھاتے تھے یعنی نمونہ دے کر بتاتے یا توضیح کر کے سمجھاتے تھے، مثلاً نماز کا حکم آیا تو پڑھ کر دکھائی اور دوسرے احکام آئے تو وضاحت کر کے بتائے اور حضور ﷺ کا یہ قول اور فعل حدیث کہلاتا ہے ان باتوں کے علاوہ حضور ﷺ ایک اور چیز بھی سکھاتے تھے اور وہ تھی حکمت، اب ''حکمت'' کا ترجمہ مترجمین نے کہیں کام کی بات کیا ہے، کہیں عقل کی اور سمجھ کی، لیکن الحمدللہ کہ آج اردو زبان ایضاح بیان میں اتنی بلندی تک پہنچ گئی ہے کہ اہل علم کو لفظ ''حکمت'' کا صحیح مفہوم سمجھنے میں کوئی غلطی نہ ہوگی ان آیات کے علاوہ لفظ ''حکمت'' قرآن میں اور بھی کئی جگہ آیا ہے۔

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ o (البقرہ 269)

یعنی ''اللہ تعالیٰ حکمت عطا کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور جس کو حکمت عطا کی گئی اس کو خیر کثیر عطا کی گئی اور یہ حکمت کی باتیں کوئی نہیں سمجھ سکتا لیکن وہ جو دانشمند ہیں''۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ (ا) حکمت اللہ تعالیٰ ہر ایک کو نہیں بلکہ جس کو چاہتا ہے اس کو سکھاتا ہے، یعنی یہ کسبی نہیں بلکہ محض وہبی ہے مطلب یہ کہ۔

این سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشدہ

(۲) حکمت کوئی معمولی چیز نہیں بلکہ خیر کثیر ہے۔

(۳) حکمت ہر خاص و عام کے لئے نہیں بلکہ صرف ان خاص الخاص لوگوں کے لئے ہے جو انتہائی دانش مند ہوں۔

حکمت کا ترجمہ فلسفہ بھی کیا جا سکتا ہے لیکن جو لوگ فلسفہ یعنی استدلال عقلی سے ''حقیقت'' کو معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک وہ جو آخر میں اللہ تعالیٰ یعنی ایک واجب الوجود کو مان لیتے ہیں اور دوسرے وہ جو اللہ تعالیٰ کے منکر ہو جاتے ہیں اور صرف مادہ ہی کو ازلی ابدی تسلیم کرتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ قرآن میں لفظ ''حکمت'' فلسفہ کے معنی میں ہر گز نہیں آیا کیونکہ اللہ تعالیٰ رسول اکرم ﷺ کے ذریعہ اپنے بندوں کو ایسی تعلیم ہر گز نہیں دے سکتا جس سے لوگ منکر بھی ہو سکیں، لہٰذا حکمت کے معنی سوائے اس علم کے اور کچھ نہیں جس کو تصوف کہا جاتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ تعلیم خفیہ طور پر کیوں دی جاتی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تعلیم خفیہ طور پر ہر گز نہیں دی جاتی بلکہ صرف خاص خاص لوگوں کو دی جاتی ہے عوام کو نہیں۔ اس کی وجہ جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے، یہ ہے کہ اس علم کی طلب اور اس کے حصول کی استعداد صرف خواص میں ہوتی ہے۔ عوام میں نہ اس کی طلب ہوتی ہے نہ ان کی عقل میں یہ باتیں آ سکتی ہیں۔ یہ علم لطائف غیبی اور کوائف باطنی سے متعلق ہے جو حواس ظاہری سے معلوم و محقق نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ان کا اظہار الفاظ میں ممکن نہیں بصرف کر کے دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کوائف و حقائق روحانی کا بیان تو بڑی بات ہے جو مادی اشیاء ہم دنیا میں دیکھتے ہیں اور استعمال کرتے ہیں وہ بھی آپ الفاظ میں بیان نہیں کر سکتے مثلاً سفید، سرخ، نیلا، پیلا یا کسی اور قسم کا رنگ ہر گز الفاظ

میں بیان نہیں کیا جاسکتا،صرف سامنے رکھ کر دکھایا جاسکتا ہے یا مثال دے کر بیان کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح کسی چیز کی خوشبو یا بدبو ہرگز الفاظ میں بیان نہیں کی جاسکتی صرف سنگھا کر بتائی جاسکتی ہے کیا کوئی بڑے سے بڑا انشاء پرداز گلاب کی خوشبو کو الفاظ میں اس طرح بیان کرسکتا ہے کہ جس نے کبھی گلاب نہ سونگھا ہو، اس کی ناک میں گلاب کی خوشبو آنے لگے۔

مختصر یہ کہ لطائف غیبی اور رکوائف وحقائق روحانی کو الفاظ میں بیان کرنے سے عوام میں سخت غلطیوں کا پیدا ہونا یقینی ہے،اس لئے یہ تعلیم صرف خواص ہی کو دی گئی ،عوام نے اس پر یہ کہنا شروع کردیا کہ یہ تعلیم خفیہ ہے۔ہمارے اس بیان کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ جب سے سچے اولیاء اللہ، تعلیم یافتہ متصوفین یا نااہل صوفیوں نے ان باتوں کو بیان کرنا یا کتابوں میں لکھنا شروع کردیا، اسی دن سے عوام کے عقائد خراب اور اعمال مسخ ہونے لگے اور ملت اسلامیہ کو بجائے فائدے کے سخت نقصان پہنچا،مثلاً حضرت محی الدین ابن عربیؒ نے جب مسئلہ وحدت الوجود یعنی ہمہ اوست کے مسئلہ کو فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم میں تحریر کردیا تو اسی وقت سے عوام میں یہ خیال پیدا ہونا شروع ہوگیا کہ ہر چیز خدا ہے اور جب بعد کی نسلوں کے دماغ میں یہ خیال مرتسم ہوگیا تو خدا کا خوف جاتا رہا، گناہوں پر جسارت پیدا ہوئی ،توحید خالص کی قوت جو بنیاد تھی تمام ترقی منہدم ہوگئی ،حدود شرعیہ تار عنکبوت کی طرح توڑ ڈالی گئیں اور نوبت بداعمالیوں اور کفرو الحاد تک جا پہنچی ۔مزید برآں یہ کہ ان بداعمالیوں کے عامل اور تلقین کفرو الحاد کے قائل چونکہ صوفی اور ولی سمجھے جاتے تھے،اس لئے عوام کا ان عقائد باطلہ کو مان کر صحیح اسلام سے منہ پھیر لینا کون سی تعجب کی بات تھی۔

ایک طرف تو یہ لوگ تھے ،دوسری طرف کچھ مسلمان ایسے بھی تھے جو ان باتوں سے متنفر ہوکر سرے سے روحانیت ہی کے منکر ہوگئے۔اگر یہ لوگ ایسا نہ کرتے اور علمائے ظاہر کی تعلیم اس قدر عام اور شدید نہ ہوتی تو آج روئے زمین پر جو یہ نام نہاد مسلمان نظر آتے ہیں، یہ بھی دکھائی نہ دیتے اور کفرو الحاد،شرک،قبر پرستی ،پیر پرستی بلکہ باقاعدہ بت پرستی کے سوا کچھ بھی باقی نہ رہ گیا ہوتا۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت محی الدین ابن عربی ؒ اپنے زمانہ کے بہت بڑے بزرگ اور ولی اللہ تھے، لیکن انہوں نے ''منزل'' کو'' مقام'' اور'' کیفیت'' کو'' حقیقت'' سمجھ لیا اور آگے جانے کی ہمت نہ کی، اس پر غضب یہ کیا کہ جس کیفیت کو حقیقت سمجھے تھے اسے قلم بند کر دیا۔ عوام یا وہ صوفی جو اس مقام تک بھی کبھی نہ پہنچ سکے جہاں وحدت الوجود کی کیفیت بن کر سامنے آتی ہے، ابن عربی ؒ کی تحریر کا حقیقی مطلب خاک سمجھتے۔ مگر انہوں نے اس خیال سے کہ ابن عربی ؒ بہت بڑے عالم اور ولی اللہ ہیں، ان کی باتوں کے ظاہری مطلب کو صحیح مان لیا اور اپنے جاہل مریدوں کے سامنے بیان کرنا شروع کر دیا، نتیجہ وہ نکلا جو سامنے ہے۔ وحدت الوجود اصل میں ویدانت کا فلسفہ ہے، اسلامی توحید سے اسے دور کا واسطہ بھی نہیں۔ ہندوؤں کے رشی اور منی روحانی ترقی کے جس آخری نقطہ تک پہنچے وہ یہی مقام تھا جہاں وحدت الوجو کی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ انہوں نے اسی کو حقیقت اور انتہا تصور کیا اور اسی پر اپنے فلسفے کی بنیاد رکھی، حالانکہ حقیقت کبریٰ یعنی ذات بحت کی وہ حقیقت جہاں کوئی صفت موجود نہیں، اس مقام سے کہیں آگے ہے جہاں وحدت الوجود کی کیفیت طاری ہوتی ہے اور یہی ''حکمت اسلامی'' کی فضیلت ہے کہ مسلمان اولیاء وہاں پہنچتے ہیں جہاں دوسرے ادیان کا کوئی بزرگ بھی نہ پہنچ سکا، اور وہیں پہنچ کر معلوم ہوتا ہے ''توحید خالص'' کیا ہے۔

ہر مسلمان کو یاد رکھنا چاہئے کہ کوئی ولی اللہ خواہ کتنا ہی بڑا ہو اگر ایسی بات کہے جو وحی یعنی قرآن کے خلاف ہو تو اس بات کو ماننے سے فوراً انکار کر دینا چاہئے۔ یہی نہیں بلکہ اگر اس ولی کی ولایت ہی سے انکار کر دیا جائے تو بھی دین میں ذرہ برابر خلل نہیں آتا کیونکہ اولیاء کی ولایت کو ماننا اصول دین میں نہیں ہے۔ لیکن یہ بھی کسی طرح جائز نہیں کہ ایسے اولیاء کی شان میں گستاخی کی جائے یا نازیبا اور ناشائستہ الفاظ ان کے لئے استعمال کئے جائیں۔ ایسے موقعہ پر یقین کر لینا چاہئے کہ جو کچھ اس بزرگ نے سمجھا یا دیکھا ہے قابل فہم الفاظ میں بیان نہیں کر سکا۔

اسی طرح ان نام نہاد صوفیوں کا ایک اور عقیدہ ہے جو عوام میں بھی بے حد سرایت کر گیا ہے، یعنی لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ شریعت اور چیز ہے اور طریقت وحقیقت اور شے۔ یہ لوگ اس بات کے

قائل ہیں کہ بہت سے اولیاء اللہ ایک ایسے مقام تک پہنچ جاتے ہیں جہاں نہ تو عبادت ظاہری کی ضرورت رہتی ہے، نہ کسی گناہ کا عذاب ہوتا ہے اور نعوذ باللہ یہی تعلیم تھی جو رسول اللہ ﷺ خفیہ طور پر دیا کرتے تھے، یعنی حضور ﷺ کا ظاہر کچھ اور تھا اور باطن کچھ اور۔ استغفر اللہ، استغفر اللہ۔ حضور ﷺ کی ذات اقدس اور آپ کی دیانت وصداقت پر اس سے بڑا بہتان اور کیا ہو سکتا ہے۔ خیال تو کیجئے جس قوم کو حصہ کثیر اپنے ہادی کی بابت یہ ذلیل عقیدہ رکھتا ہو وہ قوم تباہ و برباد اور رسوا نہ ہو تو اور کیا ہو۔ دراصل مسلمانوں میں جھوٹ اور ریا کاری عام ہونے کی سب سے بڑی نفسیاتی وجہ ہی یہ عقیدہ ہے۔ جب وہ یقین رکھتے ہوں کہ نعوذ باللہ خود رسول اللہ ﷺ کا ظاہر کچھ تھا اور باطن کچھ، تو وہ خود ایسا کیوں نہ کریں گے۔ یہ لوگ مانتے اور کرتے کچھ ہیں مگر بتاتے اور کہتے کچھ اور ہیں۔ اس بات سے ان کے کردار کی فولادیت ختم اور جذبہ صداقت فنا ہو کر کذب و ریا کاری پیدا ہو جاتی ہے۔ ہم نے بے شمار جاہل صوفیوں یا بالفاظ صحیح تصوف کے جھوٹے دعویداروں کو ایسی باتیں کہتے ہوئے بگوش خود سنا ہے۔ ایسے فقیر تو ہر جگہ بے شمار ملیں گے جو نماز نہیں پڑھتے، بھنگ پیتے، چرس کا دم لگاتے اور ان کے علاوہ اور بہت سی باتیں خلاف شرع کرتے ہیں۔ لیکن ہم نے ایک ایسے پیر صاحب کو بھی دیکھا جو کسی مرید کو بیعت کرتے وقت اس سے یہ عہد لیتے تھے کہ ''میں نماز کبھی نہیں پڑھوں گا''۔ لطف یہ ہے کہ باوجود اس کے لوگ ان کو بہت بڑا ولی اللہ مانتے تھے اور ایک دنیا میں ان کی کرامتوں کی دھوم تھی، اب فرمایئے اس کے بعد باقی ہی کیا رہ جاتا ہے

حقیقت یہ ہے کہ شریعت میں بنیادی چیز عقائد ہیں اور وہ سب کے سب غیب سے متعلق ہیں ان غیبی حقائق کی معرفت حاصل کرنے کے جو طریقے سرکار دو عالم ﷺ نے تلقین فرمائے ہیں ان کا نام طریقت (یعنی راستہ) ہے اور ان پر عمل کرنے کے بعد جو علم حاصل ہوتا ہے اس کا نام حقیقت ہے۔ اب آپ ہی فیصلہ کریں کہ شریعت، طریقت اور حقیقت ایک دوسرے کے خلاف یا متضاد کیسے ہو گئیں

یہ سچ ہے کہ عوام کے لئے صرف شریعت ہی ہے، انکو طریقت یا حقیقت کی پیچیدہ راہوں میں داخل ہونے کی ضرورت نہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ خاصان خدا میں شامل ہونے یا

کامل ہو جانے کے بعد شریعت کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی ۔شریعت کا پابند ''مسلمان'' کہلاتا ہے اور جب تک کوئی شخص مسلمان نہ بن جائے مومن یا مومن کامل کیسے بن سکتا ہے ۔شریعت ملت کے خواص اور عوام کا قانون زندگی ہے ،یہی ملت کا سواد اعظم ہیں ۔اگر یہ شریعت کے پابند یعنی پکے مسلمان نہ ہوں تو مٹھی بھر اولیاء اللہ کرہی کیا سکتے ہیں ،اس لئے سب سے پہلے اور سب سے آخر ہر حالت میں ہر شخص کے لئے شریعت کی پابندی لازم ہے ۔

شریعت کیا ہے؟ ایک سیدھی سادی راہ ،طہارت و پاکیزگی ،پانچ وقت کی نماز ،رمضان کے روزے ،روپیہ ہو تو حج اور زکوٰۃ اور جب تحفظ و بقائے ملت کے لئے ضرورت پڑے تو جہاد ۔اس کے علاوہ قرآن کے بتائے ہوئے اوامر و نواہی پر عمل ،اپنے عزیز و اقارب اور اہل دنیا کے ساتھ تمام معاملات میں وہ سلوک جو اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ نے بتایا ہے ۔شریعت کی غایت کیا ہے؟ یہ کہ مسلم عوام دنیا میں عزت و شرافت اور امن و امان کی زندگی بسر کرنا سیکھیں ،تمدن میں ترقی کریں اور اسلامی تعلیم و تہذیب دنیا بھر میں پھیلائیں اور مرنے کے بعد جنت میں جائیں ۔ اب غور کیجئے کہ کیا یہ باتیں کچھ کم وقیع اور کچھ کم ضروری ہیں ۔مگر افسوس کہ ہم ان پر تو پورا عمل کرتے نہیں طریقت و معرفت حاصل کرنے کے لئے نکل کھڑے ہوتے ہیں ۔جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خدا تو ملتا نہیں دنیا بھی برباد ہو جاتی ہے ۔اس کے بعد تصوف کی جھوٹی سچی کچھ باتیں جو کان میں پڑ جاتی ہیں ان کو ذریعہ معاش بنا لیا جاتا ہے اور عوام کا ایمان خراب کیا جاتا ہے ۔

تمام جماعتیں جو کوئی بڑا کام کرنا چاہتی ہیں سالانہ اجتماعات ضرور منعقد کیا کرتی ہیں لیکن فائدہ صرف انہی جماعتوں کو پہنچتا ہے جن کے ارکان ایسے اجتماعات میں منظور ہونیوالی تجاویز پر جوش و استقلال اور خلوص سے عمل کرتے ہیں (اقتباس از چراغ راہ)۔

حقیقتِ انسان

(قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب)

جب تک انسان کی اصل حقیقت اور اس کے مقصود حیات کے بارے میں صحیح علم نہ ہو اس وقت تک اس کی زندگی کیلئے نہ تو کوئی حتمی لائحہ عمل مرتب کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی یہ فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ اس کی ترقی کی سمت درست ہے یا غلط۔ یہ انسانیت کا سب سے اہم اور مشکل ترین مسئلہ ہے۔ چونکہ انسان خود اپنی تخلیق کے مقصد سے آگاہ نہیں ہو سکتا اس لئے ہر دور میں اس کیلئے اپنی حقیقت اور کامیابی کا دستورِ حیات جاننے کا ایک ہی یقینی ذریعہ رہا ہے کہ اپنے خالق و مالک اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء علیہم السلام پر اُترنے والی وحی سے روشنی اور راہنمائی حاصل کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بنی نوع انسان کیلئے دین کو مکمل کرنے والی جو مبارک کتاب نازل فرمائی اس میں جہاں قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کی ہدایت و فلاح اور دنیوی و آخروی کامیابی کیلئے مکمل لائحہ عقائد و اعمال موجود ہے وہاں انسان کی اصل حقیقت اور دیگر ازلی و ابدی حقائق بھی بیان کئے گئے ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی عظمت اور برتری بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ہم نے اسے زمین کی خلافت، اپنی محبت و معرفت سے بھرپور بندگی اور قرب و رضا کیلئے پیدا کیا اور اسے تمام اشیاء کی صفات کا علم اور انہیں تسخیر کرنے کی صلاحیت سے نوازا۔ چنانچہ علم و عرفان کی اس برتری کی وجہ سے ملائکہ بھی اس کے سامنے سربسجود ہو گئے۔ یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ ہم نے ایک امانت آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کی لیکن وہ اس کی بھاری ذمہ داری اور ناکامی کی صورت میں ملنے والی سزا سے ڈر گئے اور اسے قبول نہ کیا لیکن انسان نے اُسے اٹھا لیا اور اس طرح اسے اپنے اعمال کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا۔ یہ تمام احوال عالم ارواح میں پیش آئے یعنی اس وقت جب کرہ ارض پر اس کا مادی ظہور نہ ہوا تھا تاہم وہ اپنا ایک روحانی وجود رکھتا تھا۔ قرآن کریم میں عالم ارواح میں

لئے گئے میثاق الانبیاء کے علاوہ اولادِ آدم سے لئے گئے عہدِ الست کا بھی ذکر ہے جس میں تمام ارواح نے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب یعنی آقا و مالک تسلیم کیا۔ یہ واقعات بیان کرنے کی غرض و غایت اس بنیادی امر کو واضح کرنا ہے کہ انسان کی حقیقت اور اس کا اصل وجود روحانی ہے۔ اسی لئے تمام عہد و پیمان غیر مادی وجود سے لئے گئے اور اسے ہی اعمال کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے۔ یہ مادی جسم تو حقیقی انسان کیلئے سواری کی مانند ہے جسے وہ اپنی مرضی کے مطابق چلاتا اور اس کے ذریعے مادی حیات کا سفر طے کرتا ہے۔ یا یوں سمجھ لیں کہ مادی جسم حقیقی انسان کے گرد لپٹا ہوا غلاف ہے جو حواس اور بدنی اجزاء پر مشتمل ہے۔ حواس کے ذریعے انسان بیرونی دنیا کا علم حاصل کرتا ہے اور جسمانی اجزاء کو استعمال کر کے اپنے ارادوں کو عملی جامہ پہناتا ہے۔ اس کی تمام تر سائنسی ایجادات بھی اسی ذوق کا شاخسانہ ہیں۔ جب انسان کی موت واقع ہوتی ہے تو روح یا حقیقی انسان کا تعلق مادی جسم سے منقطع کر کے اسے عالمِ مثال یعنی برزخ میں اس کے اعمال کے مطابق ٹھہرایا جاتا ہے اور جب حشر برپا ہو گا تو اسے دوبارہ مادی جسم عطا کر دیا جائے گا۔ اس لئے انسان کی اصل کامیابی اسی میں ہے کہ وہ ہمہ وقت مادی جسم کی پرورش اور خدمت ہی میں نہ لگا رہے بلکہ اس کی صرف مناسب ضروریات کا خیال رکھے تاکہ مادہ کی تسخیر اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول میں یہ اس کا مددگار ثابت ہو۔ اس افضل ترین لیکن ہمت آزمائش میں کامیابی کیلئے یہ امر اشد ضروری ہے کہ انسان کو اس دشوار گذار راہ کے ہر پیچ و خم اور اونچ نیچ کے متعلق مکمل آگاہی حاصل ہو۔ اس کیلئے انسان اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت کا محتاج ہے کیونکہ ان امور کا حقیقی علم اس کو ہے کہ کون کونسے اعمال انسان کی سعادت اور نیک بختی کا سبب بن کر اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے مقام تک پہنچا سکتے ہیں اور کونسے اسے شقاوت اور بدبختی کی دلدل میں پھنسا کر اللہ سے دوری کا باعث بنتے ہیں۔ تمام انسانی اعمال کو اللہ کے دین میں خیر اور شر کے دو عنوان دئے گئے ہیں اور انہیں جاننے اور ماننے پر ہی ہر انسان کی کامیابی کا دارومدار ہے۔ اسی لئے **وَالْقَدْرِ خَیْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی** کو تسلیم کرنا ایمان کا جزو ٹھہرایا گیا ہے یعنی کونسی چیز خیر اور کونسی شر ہے

اور مختلف اعمال میں خیر اور شر کا درجہ کتنا ہے اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے اور انسان کی کامیابی اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے مطابق شر سے بچنے اور خیر پر چلنے میں ہے۔ ہر انسان جو کچھ سوچتا، بولتا اور کرتا ہے اس کا مکمل ویڈیو ریکارڈ تیار کیا جا رہا ہے اور قیامت کے روز پوری زندگی کی کارکردگی اسے دکھا دی جائے گی۔

چنانچہ سورۃ زلزال میں فرمایا گیا ہے۔ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗo وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗo ''تو جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا'' اس دن مجرموں کی کوئی صفائی، گواہی اور وکالت قبول نہ کی جائے گی بلکہ کسی کو بات کرنے کی بھی اجازت نہ ہوگی۔ سورۃ یٰسین میں فرمایا گیا ہے۔ ''آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور جو کچھ یہ کرتے رہے تھے ان کے ہاتھ ہم سے بیان کر دیں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے''۔ آج جب کہ انسان نے ریکارڈ کرنے کیلئے عجیب وغریب ایجادات کر لی ہیں تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے انتظامات کا کیا ہی کہنا ہے۔ ایک طرف تو **عِلِّيِّين** اور **سِجِّين** کے ماسٹر ریکارڈ آفس ہیں جن میں ہر ہر انسان کے اچھے اور برے اعمال اس کی ذاتی فائلوں میں ریکارڈ کئے جا رہے ہیں اور دوسری طرف ہر انسان کے ساتھ ایک ایسا نظام پیوست کر رکھا ہے جو اس کی حرکات وسکنات کو ضابطہ تحریر میں لا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖo وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًاo اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًاo (بنی اسرائیل ۔13تا14)

''اور ہم نے ہر انسان کا اعمال نامہ اس کے گلے میں لٹکا دیا ہے اور قیامت کے روز اسے کتاب کی صورت میں نکال دکھائیں گے جسے وہ کھلا ہوا دیکھے گا۔ کہا جائے گا کہ اپنی کتاب پڑھ لے۔ آج تو آپ ہی اپنا محاسب کافی ہے''۔

یہ اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ اس نے انسانوں کی ہدایت کیلئے ہر قوم میں اپنے رسول بھیجے جنہوں نے اپنی اپنی اُمتوں کو اللہ تعالیٰ اور آخرت کی زندگی پر ایمان لانے اور اللہ تعالیٰ کی

بندگی کرنے کی دعوت دی۔اورانہیں تمام اوامر یعنی خیر کے اعمال کی تفصیل بتا دی جن کو اپنانے سے انسان اللہ کی محبت کی راہ میں آگے بڑھتا چلا جاتا اور آخر کار اس کی رضا حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔اس کے برعکس نواہی و منکرات یعنی شر کے اعمال سے بھی آگاہ کر دیا جن میں مبتلا ہونے والا مادی دنیا کی محبت میں گرفتار ہو کر نفس کا بندہ یا غلام بن جاتا ہے اور اللہ سے دور ہوتا چلا جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ کے رسولوں نے انسانوں کو اپنی مثالی زندگیوں کا اتباع کرنے والوں کو فلاح دارین کی ضمانت دی اور نافرمانی کرنے والوں کیلئے اللہ تعالیٰ نے جو سزائیں اور جہنم کی آگ تیار کر رکھی ہے اس سے ڈرایا تاکہ وہ ہوا و ہوس اور مادی لذات کی جستجو کو ترک کر کے تقویٰ والی زندگی اپنا لیں اور دنیا و آخرت میں سرخرو ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ پر جو اپنی آخری کتاب نازل فرمائی اس میں جزا و سزا کا فطری قانون بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔اب جو انسان اللہ تعالیٰ کے دین کے مطابق پاک صاف زندگی بسر کرے گا وہ اس کی رضا اور جنت کا حقدار ٹھہرے گا اور جو نافرمانی کی روش اپنا کر من مرضی اور آزادروی کی زندگی گذارے گا وہ یہاں بھی ذلت سے دوچار ہوگا اور مرنے کے بعد اس کا ٹھکانہ جہنم میں ہوگا۔قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے۔

وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ (الفتح 17)

''اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کے فرمان پر چلے گا اللہ اس کو بہشتوں میں داخل کریگا جس کے تلے نہریں بہ رہی ہیں اور جو روگردانی کریگا اسے بڑے دُکھ کی سزا دیگا''۔

اگرچہ انسان کی علمی اور روحانی ترقی میں اس کا نفس بڑا اہم کردار ادا کرتا ہے لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ نفس فطری طور پر سفلی خواہشات اور مادی لذات کی طرف لپکتا ہے۔مگر جو انسان ایمان کی نعمت سے سرفراز ہو کر اپنی خواہشات کو شریعت کی حدود کے اندر رکھنے کیلئے اپنے نفس سے مسلسل جہاد کرنے میں لگا رہے تو پھر یہی نفس امارہ ترقی کر کے نفس لوامہ اور آخر کار نفس

مطمئنہ بن جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے نفس کے رجحان اور ایمان وتقویٰ کا تجزیہ بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِکَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِo قُلْ اَؤُ نَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ . وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِo (آل عمران 14تا 15)

”عورتوں، بیٹوں، سونے چاندی کے ڈھیروں، عمدہ گھوڑوں، مویشیوں اور کھیتیوں کی خواہشات کی محبت لوگوں کیلئے مرغوب اور خوشنما بنائی گئی ہے۔یہ سب تو دنیا کی زندگی کے سامان ہیں اور اللہ کے پاس بہت اچھا ٹھکانہ ہے۔آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہیں ایسی چیز بتا دوں جو ان چیزوں سے کہیں اچھی ہو ان لوگوں کیلئے جو پرہیزگار ہیں اللہ کے ہاں باغات بہشت ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔اور پاکیزہ عورتیں ہیں اور سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اور اللہ بندوں کو دیکھ رہا ہے“۔

پہلی آیت میں جہاں اللہ تعالیٰ نے دنیوی زندگی کی شان وشوکت کے چھ اہم ترین لوازم اور ان کے ساتھ عام انسانوں کی فطری محبت کا ذکر کیا ہے وہاں ساتھ ہی فرمادیا ہے کہ یہ سب کچھ تو ہم نے تمہیں مادی زندگی کے استعمال کیلئے دے رکھا ہے۔ ہمارے ہاں متقین کیلئے ایسی ایسی نعمتیں ہیں جن کا انسان گمان بھی نہیں کرسکتا۔ایسی ہی نعمتوں کی ایک مختصر جھلک دکھا بھی دی ہے۔گویا یہ سمجھایا جارہا ہے کہ مادی زندگی کی گھٹیا اور عارضی لذات کو سب کچھ سمجھ کر انہی میں گم ہوکر نہ رہ جانا۔اصل زندگی تو آخرت کی ہے اور وہاں کی نعمتیں اعلیٰ اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہیں۔ ان سے اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی جنتوں میں داخل ہونے والے صالحین کے اوصاف بتائے گئے ہیں تاکہ اہل ایمان انہیں اپنا کر کامیاب ہوجائیں۔ بلکہ قرآن میں تو اہل ایمان کی مکمل جانفروشی کا نقشہ اس طرح کھینچا گیا ہے کہ”اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کے اموال اور جانیں جنت کے بدلے میں خرید لی ہیں“۔(التوبۃ۔111)

قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب کا خط بنام محمد سلیم صاحب۔

مورخہ 18 جولائی 2006

السلام علیکم!

ذکر کے دوران اگر اونگھ آجائے تو کوئی حرج نہیں ۔اس طرح کی کیفیت میں روحانی مناظر بھی دکھائی دے سکتے ہیں ۔جیسا کہ ایک رات خواب میں آسمان پر نورانی شعاع دکھائی دی جس سے فضا منور تھی ۔یہ اللہ تعالی کی تجلیات نور کی صورت میں دکھائی دیتی ہیں ۔شروع شروع میں جسم ان کا متحمل نہیں ہوسکتا اس لئے لرزنے لگتا ہے ۔حضور ﷺ پر بھی جب پہلی مرتبہ وحی کا نزول ہوا تو بہت گھبرائے ہوئے گھر پہنچے اور حضرت خدیجہؓ کو فرمایا کہ مجھے کمبل اوڑھا دو مجھے جان کا خطرہ ہے ۔پھر آہستہ آہستہ ان کی عادت ہو جاتی ہے اور ان کیفیات کا انتظار رہتا ہے اللہ جب چاہے گا پھر کچھ دکھا دے گا ۔ذکر کی کثرت ،محبت ،انس اور اخلاق میں آگے بڑھتے جانا ہے یہی اصل کام ہے اگر کچھ دکھائی دے تو صرف مرشد ہی کو بتانا چاہیے آپ اپنے **سلیبس** کو زیادہ نہ بڑھائیں کہ پورا کرنا دشوار ہو جائے ۔انصاری صاحبؒ نے اپنا **سلیبس** چراغ راہ میں لکھا ہے کہ مرشد نے اتنا طویل پڑھنے کو بتایا کہ رات بھر جاگتا پھر بھی پورا نہ ہوتا ۔مجبوراً دن کو کرتا ۔خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے ہماری سہولت کیلئے نیا اور مختصر لیکن نہایت ہی موثر نصاب مقرر فرما دیا ۔دو ذکر بتائے نفی اثبات اور پاس انفاس ۔مجاہدے کے دشوار طریقے ختم کر کے حکم دیا کہ دو چیزیں چھوڑ دو اور دو اختیار کر لو ۔غصہ اور نفرت چھوڑ دو اور محبت اور صداقت اختیار کر لو بس فقیری کا درس مکمل فرما دیا ۔

لا الــه الا اللــه کو افضل ذکر فرمایا گیا ہے ۔اور قرآن میں ارشاد ہوا کہ ولـذکـر اللـه اکبر

سب سے بڑا اللہ کا ذکر ہے ۔اس لئے انہی کے قیام اور دوام سے انعام کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ یہ پکے ہو جائیں تو ساری راہیں کھل جاتی ہیں نمازیں حضوری والی اور دعائیں منظوری والی ہو جاتی ہیں جس زبان میں جی چاہے دعا کروا سے شرف قبولیت حاصل ہو جاتا ہے بلکہ فقیر کا تو خیال بھی دُعا بن جاتا ہے۔وہ دل سے جو چاہے اسے بھی قبول کرلیا جاتا ہے۔

قرآن کریم خوب تدبر و تفکر سے پڑھیں اور اپنے اخلاق و اطوار اس کی ہدایات اور اسوہ حضورﷺ کے مطابق ڈھالنے میں لگے رہیں۔ اپنے سارے فرائض خوشدلی اور تندہی سے انجام دیں لیکن نتائج کیلئے نگاہ اللہ تعالی پر رکھیں اور ہمیشہ خوش رہیں راضی برضا رہیں حالات کیسے ہی ہوں کبھی پریشان نہ ہوں ۔عبدالحکیم انصاریؒ کا فرمان تھا کہ فکر اور فقر کا آپس میں بیر ہے فکر کرو گے تو فقیری نہیں ملے گی۔اور شکوہ نہ قلب میں نہ لب پر۔

طریق اہل دُنیا ہے گلہ شکوہ زمانے کا نہیں ہے زخم کھا کر آہ کرنا شانِ درویشی
یہ نکتہ پیر دانا نے مجھے خلوت میں سمجھایا کہ ہے ضبط فغاں شیری، فغاں روباہی و میشی

اللہ تعالی سب بھائیوں کو سلسلہ کی تعلیم پر ذوق شوق سے عمل کی توفیق دے <u>سستی اور کاہلی اس راہ میں روا نہیں</u>۔زندگی کی مہلت اتنی مختصر ہے کہ اسے ضائع نہیں کیا جانا چاہیے۔

آپ تو ماشاءاللہ تعلیم پر بڑی استقامت کے ساتھ عمل کرنے والوں میں شامل ہیں اب جو عارضی رکاوٹ کا سامنا ہے وہ آپ کی صحت کی وجہ سے ہے انشاءاللہ اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا اگر چہ احساس ضرور رہوتا ہے کہ یہ کوتاہی بھی کیوں ہوئی ہے۔اللہ تعالی آپ سب بھائیوں کو دنیا و آخرت میں سرخرو فرمائے۔ والسلام!

اولیاءاللہ کی مجالس اوران کے خصائل

(سلطان بشیر محمود)

مسلمانوں کو حکم ہے کہ اہل اللہ کی مجالس سے فیض حاصل کریں۔حضورنبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا تھا(بخاری، مسلم) ۔

یہ سوال کہ اتنی ساری گدیوں اورپیرخانوں میں ہمیں کیسے پتہ چلے کہ کہاں جائیں؟ وجہ یہ ہے کہ اللہ کے سچے ولی کم آمیز، کم گفتار، عاجز، بے نام بندہ ہونا زیادہ پسند کرتے ہیں۔اس لئے انہیں ڈھونڈنا پڑتا ہے۔ان کے برعکس جعلی پیروں کی گدیاں باقاعدہ کاروباری ادارے ہیں جن کی باقاعدہ تشہیراور مارکیٹ ہوتی ہے۔لہذا زیادہ تر لوگ اطمینان کی تلاش میں ان کی شعبدہ بازی، کرامتوں کے پیچھے پہنچ جاتے ہیں ۔ان کے مقامِ عالیہ کا حساب مریدوں کی تعداد سے لگتا ہے۔ ایسے جعلی پیروں سے اللہ کی پناہ طلب کرتے رہیں۔ان کے پیر خانے شیطانوں کی وہ جولان گاہیں ہیں جہاں سب کچھ برباد ہوسکتا ہے اور آپکو خبر بھی نہ ہو۔اس لئے رہبر کے چناؤ میں بہت احتیاط کریں۔غلط رہبر سے رہبر کے بغیر رہنا بہتر ہے۔

حقیقی ولی کی مجلس

اللہ تعالیٰ کے ولیوں کی پہلی پہچان یہ ہے کہ ان کی مجالس اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول مقبول ﷺ کے نام سے آباد ہوتی ہیں اوران کے ہاں ہر بات کا مقصد،اس کا آغاز اوراختتام سب اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول ﷺ کے حوالہ سے ہوتا ہے ۔اس سلسلہ میں حضورنبی کریم ﷺ کا اسوہ حسنہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کے دشمن بھی کہتے تھے "محمد(ﷺ) کو اپنے ربّ سے عشق ہوگیا ہے" "اللہ تعالیٰ بھی آپ کی اسلام کیلئے جدوجہد دیکھ کرفرماتے ہیں" اے نبی کیا آپ(ﷺ) ان لوگوں کو تبلیغ کرتے کرتے اپنے آپ کو ہلکان کرلیں گے؟ اللہ تعالیٰ کے اولیاء کے ہاں بھی یہی اسوہ حسنہ نظر آنا چاہیے۔ان کی مجلس محبوب ﷺ کے ذکر سے کبھی خالی نہیں ہوتی۔ان کے ہاں

"میں اور ہم" کی بجائے "وہ اور اس" کی بات ہوتی ہے۔اسی کے حوالہ سے آپ ﷺ کے غلاموں کا ذکر ہوتا ہے۔وہاں اگر فکر ہے تو لوگوں کو جہنم کی آگ میں گرنے سے بچانے کی فکر ہوگی اور اپنے انجام بخیر کی۔یہی ان کی حقانیت کی پہچان ہے۔

اگر چہ کوئی آدمی اپنی کرامات میں کتنا ہی پہنچا ہوا کیوں نہ ہو لیکن اس کا دربار اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ذکر سے خالی ہے یا ان کا ذکر اوّل درجے پر نہیں ہوتا تو وہاں شیطان رہتا ہے۔خیریت اسی میں ہے کہ وہاں سے اُٹھ جائیں۔

ولی کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس کا ہاتھ دینے والا ہوتا ہے، لینے والا نہیں۔ وہ قاسم ہے جمع کرنے والا نہیں، وہ سخی ہے بخیل نہیں۔ان کے ہاں خواص اور عوام کی بات نہیں سبھی اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں۔نذرانوں اور چڑھاوؤں کی اہمیت نہیں۔بیت المال میں اگر کچھ آ گیا تو وہ جمع کرنے کے لئے نہیں سب کچھ اللہ کا اور اللہ کے مہمانوں کا ہے۔اگر آپ کسی دربار میں یہ باتیں نہیں دیکھتے تو سلامتی اسی میں ہے کہ خاموشی سے بچ کر نکل آؤ۔

اللہ تعالیٰ کے ولی کی مجلس میں انسان کے اکرام اور حقوق العباد کا بڑا خیال رکھا جاتا ہے۔حجۃ الوداع کے خطبہ میں امام الانبیاء سرور کائنات ﷺ نے سمجھایا کہ انسان کی تکریم خانہ کعبہ سے بھی زیادہ ہے اور خود خالق کائنات کا ارشاد ہے، **ولقد کرمّنا بنی آدم** (سورہ بنی اسرائیل - آیت 70) "اور تحقیق ہم نے بنی آدم کو مکرم بنا دیا ہے۔"اللہ والوں کے ہاں آدمی کے رتبہ کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ اس کی آدمیت کی بڑی عزت کی جاتی ہے۔

ولی کی ذات۔اللہ کی رضا کی تلاش،محنت وتوکل کا مخزن

اولیاء اللہ کے ہاں نفع و نقصان، آرام و تکلیف،صحت و بیماری،غریبی و امیری، اچھے برے ہر قسم کے حالات کو "اللہ" کی یاد سمجھا جاتا ہے۔ولی تکلیف سے پریشان نہیں ہوتا، نعمت کی خوشی میں بے قابو نہیں ہوتا، وہ ہر حال میں مطمئن رہتا ہے۔حرف شکایت کی بجائے

اللہ تعالیٰ کا شکر اس کا وظیفہ ہوتا ہے، وہ تکلیف اور راحت دونوں میں اللہ تعالیٰ کی رضا ڈھونڈتا ہے چیزوں کو منفی نہیں بلکہ مثبت انداز میں لیتا ہے۔ اس کی نظر تقدیر پر نہیں بلکہ اپنے اعمال پر ہوتی ہے اس لئے کہ تقدیر مالک کی طرف سے امتحانی پرچہ ہے اور ہمارا حساب تقدیر کے اس پرچہ پر ہمارے ردِّ عمل پر منحصر ہے۔ اس لئے وہ دنیا کے کھو جانے کے خوف سے آزاد ہوتا ہے۔ دنیا کے حال میں سے اگر اس کی کوئی فکر ہے تو مثبت ردِّ عمل حلال کسب اور حلال رزق ہے۔ ولی کی مجالس بھی ان صفات کا بھرپور مظاہرہ ہوتی ہیں۔ ایسے اولیاء اللہ کی شان میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنونo (سورہ یونس، آیت -62)

"نہ ان پر خوف ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہوتے ہیں"۔

اگرچہ تکلیف میں ان کے جسم پر درد کے اثرات ہوں گے جو فطری امر ہے۔ لیکن یہ تکلیف ان کی روح کو پراگندہ نہیں کرتی۔ اللہ کا ولی اپنے رب پر اس قدر اعتماد اور توکل رکھتا ہے کہ مشکل سے مشکل حالات میں بھی وہ اپنے ساتھیوں کیلئے صبر، بہادری اور اُمید کی چٹان ہوتا ہے۔ غزوہ اُحد اور غزوہ حنین میں نبی پاک ﷺ کا اسوہ حسنہ ان کے لئے راہنما مثال ہے۔

اللہ کا ولی زندگی سے اگر محبت کرتا ہے تو اس لئے کہ وہ اس میں رہتے ہوئے لوگوں میں اپنے رب کا نام بلند کر سکتا ہے اور موت سے محبت کرتا ہے تو اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا ذریعہ ہے۔ چنانچہ وقت وفات بھی آپ اللہ کے ولی کے لبوں پر مسکراہٹ، چہرہ پرسکون اور دل اپنے رب کی طرف سے پُراُمید پائیں گے۔

اولیاء اللہ کے ہاں شریعت پر بڑا زور دیا جاتا ہے اور طریقت کے نام پر بھی وہاں کوئی غیر شرعی بات نہیں ہوتی۔ اولیاء اللہ کے نزدیک شریعت کے مطابق گناہوں کی کثافت سے بچنا، نیکیوں میں سبقت لینا، دوسروں کے لئے نفع بخش ثابت ہونا، سفلی جذبات کو قابو میں رکھنا، دوسروں پر ستم ظریفی سے بچنا، دنیا کی محبت سے دور رہنا اور خاص طور پر کمانے اور کھانے پینے میں حلال وحرام کی تمیز کرنا نہایت اہم امور ہیں۔

امر بالمعروف کے ساتھ ساتھ ولی کی مجلس میں نہی عن المنکر پر بھی برابر کا زور دیا جاتا ہے نہی عن المنکر میں زیادہ خطرناک جذبے مخلوقات پر ظلم، لوگوں سے حسد، دنیاوی شان وشوکت کی حرص، جہاد سے بزدلی، شریعت سے غفلت اور سنت نبی ﷺ سے دوری کے ہیں۔ انہی میں سے اپنی ذات کیلئے غصہ اور نفرت کا جذبہ ہے لیکن اگر نفرت اور غصے کا سبب اللہ تعالیٰ کی محبت ہو تو یہ دونوں جذبے نفس کی تطہیر کا باعث ہیں۔ اس لئے ولی کی حرص کا رخ اللہ کی ذات ہوتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ سے روایت ہے کہ مومن نیکی کے لئے ایسے ہی حریص ہوتا ہے جیسے دنیا دار دنیا کے لئے حریص ہوتا ہے۔

چونکہ شہوت اور کھانے پینے سے زیادہ رغبت بھی نفس کے لئے نقصان دہ امر ہیں اس لئے اللہ کے ولی کی مجالس میں بھوک کو احسن سمجھا جاتا ہے اور کم کھانا تو ان کی لازمی مشق ہے۔ چونکہ حضور پاک ﷺ اکثر روزہ رکھتے تھے اس لئے آپ کی اطاعت میں اللہ کے ولی بھی اکثر روزے سے ہوتے ہیں۔ اللہ کے ولی کی مجلس میں علّیین کے جذبات کی آبیاری ہوتی ہے اور سفلی جذبات کو مارا جاتا ہے۔ ان کی مجلسوں کے معمولات تزکیہ نفس کی خاطر ہوتے ہیں جن میں زیادہ تر کا تعلق جسم کی مرغوب اشیاء کی مخالفت ہے۔

اللہ کے ولی روزانہ اپنا محاسبہ کرتے ہیں اور توبہ کے ذریعے اپنی کمزوریوں کو دور کرتے ہیں ان کا محبوب شغل توبہ استغفار ہوتا ہے۔ سنت طیبہ کی اتباع میں مجالس اولیاء اللہ میں بھی کمزوریوں کی تلافی کیلئے نہایت عاجزی سے توبہ کی جاتی ہے۔ اولیاء اللہ کی مجالس بڑی جاندار ہوتی ہیں۔ وہاں اللہ تعالیٰ کے قرب کا زبردست شوق پایا جاتا ہے۔ آپ وہاں پر کبھی بھی حالت جمود نہیں پائیں گے بلکہ ان کا "آج" ان کے کل پر اگلا قدم ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے اللہ کا ولی ایک متحرک (Dynamic) باتدبیر، صاحب عمل بندہ ہوتا ہے۔ جیسے سورج اپنے سیاروں کو اپنے ساتھ رکھتا ہے وہ بھی اپنے ساتھیوں کو اپنے ساتھ لے کر آگے بڑھتے ہیں۔ اولیاء اللہ کی زبان پر حرف شکایت نہیں آتا، دنیا کا نفع انہیں زیادہ مسرور نہیں کرتا اور نقصان انہیں خوف و الم میں نہیں

ڈالتا۔شریعت کا اتباع ان کا طریقہ ہوتا ہے اور صلوٰۃ کا ضائع ہوجانا ان کے نزدیک جہان کے ضائع ہوجانے سے زیادہ خوفناک ہے۔اگر کسی ولی کی صحبت میں آپ کو مندرجہ بالا فوائد حاصل ہوتے ہیں تو وہ آپ کے لئے فیض کا منبع ہوسکتا ہے۔اگر آپ ان کی محفل میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت کی بجائے کرامتوں کا شور اور "میں اور تو" ذات کی بڑائی پاتے ہیں تو وہاں سے بچ کر نکل جائیں۔

اللہ کو پانے والا

اللہ کو پانا سب سے بڑی حقیقت کو پانا ہے۔مومن جب اللہ کو پالیتا ہے تو یہ اس کیلئے ایک ایسی زلزلہ خیز دریافت ہوتی ہے جو اس کی پوری زندگی کو ہلا دیتی ہے۔ وہ ایک نا قابل بیان ربانی نور میں نہا اُٹھتا ہے، وہ ایک نیا انسان بن جاتا ہے اس کی سوچ نئے رخ پر چلنے لگتی ہے۔اس کا عمل کچھ سے کچھ ہوجاتا ہے۔اس کی تمام کاروائیاں ایک ایسے انسان کی کاروائیاں بن جاتی ہیں جو قیامت کی ترازو کھڑی ہونے سے پہلے اپنے آپ کو قیامت کی ترازو پر کھڑا ہوا محسوس کرنے لگے۔

مومن اور غیر مومن کا فرق یہ ہے کہ غیر مومن پر جو کچھ قیامت میں گزرنے والا ہے وہ مومن پر اسی دنیا میں گزر جاتا ہے۔غیر مومن جو کچھ آخرت میں دیکھے گا وہ مومن اسی دنیا میں دیکھ لیتا ہے۔غیر مومن کل کے دن جو کچھ مجبور ہو کر مانے گا۔مومن آج کے دن بغیر کسی مجبوری کے مان لیتا ہے۔(مرسلہ: **محمد قاسم توحیدی**)

چیری کے پتوں پر ٹھہری زندگی

(جاوید چوہدری)

آخری سانس سے قبل اس نے کھڑکیوں کے پردے ہٹانے کا حکم دیا، کمرہ اس کے شاگردوں سے بھرا ہوا تھا، ان میں میڈیکل پروفیسر بھی تھے، ڈاکٹر بھی، جونیئر کلرک بھی اور پیرا میڈیکل سٹاف کے لوگ بھی۔ یہ سب جوزف کے چاہنے والے تھے اور یہ تمام لوگ اس کی زندگی کے آخری لمحات میں اس کے بیڈ کے پاس رہنا چاہتے تھے تا کہ پروفیسر آخری بار آنکھ کھولے تو ان کی عقیدت اس کی مرتی ہوئی بجھتی ہوئی پتلیوں میں ٹھہر جائے اور وہ ان کے چہرے ساتھ لے کر دنیا سے رخصت ہو لیکن اس نے عین وقت پر کھڑکیوں کے پردے ہٹانے کا حکم دے دیا۔ پردے ہٹائے گئے تو کھڑکیوں سے روشنی نے کمرے میں پھیلی موت کے چہرے پر چھلانگ لگا دی ،کھڑکی سے باہر تا حد نظر چیری کے درخت تھے اور ان درختوں کی ٹہنیوں پر نومبر کی سرد راتوں کا کہرا لٹک رہا تھا اور موت اس کے فالج زدہ جسم میں آہستہ آہستہ سرائیت کر رہی تھی موت کا یہ تجربہ اس کی زندگی کی آخری ''میڈیکل ریڈنگ'' تھی اس نے محسوس کیا موت فالج زدہ جسم کے جس جس حصے سے گزرتی ہے اس میں چنگاریاں سی بھر جاتی ہیں، یوں لگتا ہے جیسے کسی نے نوکیلی تار نیم خوابیدہ گوشت میں اتار دی ہو اور پھر ایک جھٹکے سے اس تار کو کھینچ لیا گیا ہو وہ اپنے سٹوڈنٹس کو اپنی آخری میڈیکل ریڈنگ بتانا چاہتا تھا لیکن اس کی زبان اس کے تالو کے ساتھ چپک گئی اس نے محسوس کیا زندگی کے آخری لمحے میں انسان کی زبان بے جان لوتھڑا بن کر تالو کے ساتھ چپک جاتی ہے۔ اور انسان کو اللہ کو یاد کرنے ،کلمہ پڑھنے یا وصیت کرنے کا موقع بھی نہیں ملتا اس نے کمرے پر آخری نظر دوڑائی اس کے تمام جونیئر وہاں موجود تھے اس کی نظروں کے درمیان دھند کی گہری چادر تن گئی اس نے آخری سانس لیا اور کمرے میں مشینوں کی ٹی ٹی ،بی بی کی آوازیں گونجنے لگیں، پروفیسر ڈاکٹر **جوزف مرے** انتقال کر چکا تھا۔

ہم دنیا کے تمام محسنوں کی فہرست بنائیں تو پروفیسر جوزف مرے کا نام اس فہرست کے ابتدائی دس ناموں میں آئے گا، دنیا کی میڈیکل ہسٹری نے آج تک صرف 350 ایسے لوگ پیدا کئے ہیں جنہیں یہ سائنس انسانیت کا محسن سمجھتی ہے، پروفیسر جوزف مرے ان 350 لوگوں میں شامل تھا یہ دنیا کا پہلا ڈاکٹر تھا جس نے انسانی گردہ ٹرانسپلانٹ کیا، دنیا کو جس نے بتایا اگر کوئی زندہ انسان کسی دوسرے کو گردہ عطیہ کردے تو وہ بچ سکتا ہے پروفیسر جوزف مرے کی اس ریسرچ سے قبل دنیا میں جس شخص کے گردے فیل ہو جاتے تھے موت اس کا مقدر بن جاتی تھی لیکن جوزف مرے نے ان لوگوں کو زندگی کا راستہ دکھایا، اس نے دنیا کو پیوندکاری کی سائنس عنایت کردی جس کے بعد اب انسانی جسم کے ساٹھ فیصد اعضا تبدیل کئے جا سکتے ہیں یا انہیں دوبارہ بحال کیا جا سکتا ہے۔ڈاکٹر جوزف مرے 1919ء میں میساچوسٹس کے علاقے ملفورڈ میں پیدا ہوا، یہ جسامت کے لحاظ سے سپورٹس مین تھا، یہ بچپن میں اتھلیٹ بن گیا، پھر آئس ہاکی کھیلی، پھر فٹ بال اور آخر میں بیس بال کا کھلاڑی بن گیا اور 1940 میں انگلش لٹریچر اور فلسفے میں ڈگری لی پھر اچانک احساس ہوا دنیا میں انسانی جسم سے بڑا کوئی ماسٹر پیس نہیں، انسان کا بدن فلسفہ بھی ہے اور لٹریچر بھی چنانچہ اس نے ہارورڈ میڈیکل سکول میں داخلہ لے لیا اور دنیا کا محسن بن گیا، سات براعظموں پر پھیلی اس دنیا کے چند محسن ہیں ہم آج اپنے گھر میں آرام دہ زندگی گزار رہے ہیں، ہم ایک گولی، ایک کیپسول یا ایک انجکشن سے اپنا علاج کر لیتے ہیں، ہمارے گھر سردیوں میں گرم اور گرمیوں میں ٹھنڈے ہوتے ہیں ہم ہزاروں میل کا سفر چند گھنٹوں میں اور سینکڑوں میل لمبے فاصلے آرام دہ سیٹ یا ڈائیننگ ٹیبل پر بیٹھ کر طے کر لیتے ہیں دنیا کے ساڑھے چھ ارب لوگوں کو صبح کے وقت ناشتہ، دوپہر کے وقت لنچ اور رات کے وقت ڈنر ملتا ہے ہم سب روزانہ گندم کھاتے ہیں، روز گوشت یا مرغی کھاتے ہیں، ہمیں سبزیاں اور دالیں ملتی ہیں اور ہمیں صاف پانی، تازہ جوس، چائے، کافی اور دودھ ملتا ہے یہ ساری نعمتیں دنیا کے چند لوگوں کی مہربانی ہے اللہ تعالیٰ اگر ان لوگوں کے ذہن میں یہ بات نہ ڈالتا یہ لوگ آئیڈیا کو حکم الٰہی نہ سمجھتے اور یہ اپنی زندگیاں

ہماری زندگی کو آسان بنانے میں نہ لگاتے تو ہم آج خوراک کی کمی ، بیماری ،سردی ،گرمی ،اور حادثوں میں مر گئے ہوتے یہ لوگ دنیا کے اجتماعی محسن ہیں اور ہم سب کو ان کا شکریہ ادا کرنا چاہئے مثلاً کیلیفورنیا کا وہ گمنام شخص ہم سب کا محسن ہے جس نے 1956ء میں پہلی برائلر مرغی بنائی تھی ،آج ہم اگر انڈے اور مرغیاں کھا رہے ہیں تو یہ اس گمنام شخص کی مہربانی ہے ،اگر وہ یہ مہربانی نہ کرتا تو آج انڈہ اور مرغی صرف امیروں کے دستر خوانوں تک محدود ہوتیں ۔مثلاً میکسیکو کا وہ زرعی ماہر ہم سب کا محسن ہے جس نے 1960ء میں گندم کا وہ بیج بنایا جس نے گندم کی پیداوار میں چھ گنا اضافہ کردیا ،وہ اگر مہربانی نہ کرتا تو آج پاکستان میں ''میکسی پاک'' گندم نہ ہوتی اور ہم قحط کا شکار ہو گئے ہوتے ،اسی طرح جزام ،چیچک ،طاعون ،ملیریا ،ٹی بی ،پولیو ،ہیپا ٹائٹس اور کینسر کی ویکسین بنانے والے پوری دنیا کے محسن ہیں ،کمپیوٹر ایجاد کرنے ،کوکنگ بنانے اور گاڑیاں ،ہوائی جہاز اور دنیا کو ٹچ سکرین کا تحفہ دینے والے لوگ ہمارے اجتماعی محسن ہیں یہ اگر نہ ہوتے یہ اگر محنت نہ کرتے تو ہم آج اتنی آرام دہ اور آسان زندگی نہ گزار رہے ہوتے ۔

پروفیسر جوزف مرے بھی ان لوگوں میں شامل تھے ،اس نے میڈیکل کی تعلیم حاصل کی ،پلاسٹک سرجری کے شعبے میں گیا ،ویلی فورج جنرل ہسپتال پنسلوانیا سے وابستہ ہوا ،دوسری جنگ عظیم کے دوران زخمی فوجیوں کے ہاتھوں اور چہروں کی پلاسٹک سرجری کی اسی دوران اسے معلوم ہوا دنیا کے زیادہ تر لوگوں کے خوف ،حادثے ،پریشانی اور وائرس کی وجہ سے گردے فیل ہو جاتے ہیں اور اگر انسان گردے سے محروم ہو جائے تو موت اس کا مقدر بن جاتی ہے اس نے اپنی زندگی انسانی گردوں کیلئے وقف کردی ،پروفیسرز جوزف مرے نے تحقیق کی تو پتہ چلا اگر انسان اپنا ایک گردہ کسی دوسرے کو عطیہ کر دے تو بھی یہ آرام سے زندگی گزار سکتا ہے ۔ اس نے گردوں کو ٹرانسپلانٹ کرنے کا طریقہ ایجاد کرلیا ،1954ء میں اس کے پاس گردے کا ایک مریض آیا ،اس کا جڑواں بھائی اسے گردہ دینے کیلئے تیار تھا ،ڈاکٹر جوزف مرے نے 23دسمبر 1954ء کو دونوں بھائیوں کا آپریشن کیا ،آپریشن کامیاب ہوگیا اور یوں دنیا میں

آرگن ٹرانسپلانٹ کی سائنس کا آغاز ہوگیا۔ڈاکٹر جوزف مرے نے 1959ء میں انسانی خلیوں ٹشوز اور جسم کے دیگر اعضاء کی ٹرانسپلانٹ شروع کی ،اس نے 1962ء میں دنیا کا پہلا ''RENAL CADAVERIC'' ٹرانسپلانٹ کیا اور یہ اس کے ساتھ ہی ٹرانسپلانٹیشن بائیالوجی سائنس کا عالمی لیڈر بن گیا ،اس نے 1965 میں دنیا بھر کے فزیشنز اور سرجنز کو ٹرانسپلانٹیشن کی ٹریننگ دینا شروع کر دی اور یوں پوری دنیا میں آرگن ٹرانسپلانٹ شروع ہوگیا آج دنیا میں جس جگہ کسی انسان کا کوئی عضو ٹرانسپلانٹ ہوتا ہے اس کا ثواب براہ راست ڈاکٹر جوزف مرے کے کھاتے میں درج ہو جاتا ہے۔ڈاکٹر جوزف مرے کو 1990ء میں نوبل انعام ملا لیکن میڈیکل سائنس اسے 1960ء ہی میں دنیا کا عظیم ترین سرجن تسلیم کر چکی تھی ڈاکٹر جوزف مرے 1986 میں ہاورڈ میڈیکل سکول سے ریٹائر ہوا اور اس نے باقی زندگی انسانی فلاح ،انسانی صحت اور ٹرانسپلانٹ سائنس کی ترقی اور ترویج پر لگا دی ۔یہ 26 نومبر 2012ء کو 93 سال کی عمر میں ایک بھرپور ہنگامہ خیز اور شاندار زندگی گزار کر انتقال کر گیا ،اس نے زندگی کی آخری سانس بوسٹن کے اس برگھم ہسپتال میں لی جس میں اس نے 1954ء میں پہلا ٹرانسپلانٹ کیا تھا۔ڈاکٹر جوزف مرے مر گیا لیکن اس کی تخلیق کردہ سائنس کبھی نہیں مرے گی دنیا کے کسی بھی کونے میں جب بھی کسی انسان کو کوئی عضو لگایا جائے گا ڈاکٹر جوزف مرے اس انسان کی سانس اس انسان کے خون کی دھڑکن میں زندہ ہو جائے گا اور یہ دنیا کے ہر اس ڈاکٹر کی سانسوں ،انگلیوں ،آنکھوں اور دماغ میں زندہ رہے گا جو کسی انسان کا کوئی عضو ٹرانسپلانٹ کرے گا ڈاکٹر جوزف مرے کی لاش دفن کر دی گئی لیکن اس کے کمرے کی کھڑکی کے پردے ابھی تک کھلے ہیں۔ اور پٹوں پر رکی ہوئی روشنی ابھی تک کمرے کے ٹھنڈے بدن پر اتر رہی ہے اور چیری کے پتوں پر سرد راتوں کا کہرا ابھی اسی طرح نازل ہو رہا ہے۔اور جب تک یہ کہرا نازل ہوتا رہے گا اور پٹوں پر دھری روشنی کمروں میں اترتی رہے گی اس وقت تک ڈاکٹر جوزف مرے جیسے لوگ زندہ رہیں گے کیونکہ موت کبھی زندگی کے محسنوں کو نہیں مار سکتی۔ (بشکریہ روزنامہ ایکسپریس)

ذکر الٰہی

(خرم مرادؒ)

الَّذِيْنَ آمَنُواْ وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُم بِذِكْرِ اللّهِ أَلاَ بِذِكْرِ اللّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ٥

"جو لوگ ایمان لائے،ان کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان حاصل کرتے ہیں۔دھیان سے سن لو! اللہ کے ذکر سے ہی دل اطمینان پاتے ہیں"۔(الرعد ۱۳: ۲۸)

جب تک دل میں شک کا کانٹا چبھتا رہتا ہے انسان کو کسی پہلو قرار نہیں آتا اور جب یقین کا اُجالا ہوتا ہے تو سارے اضطراب ختم ہو جاتے ہیں۔ذکر الٰہی سے ہی دل میں اطمینان اور سکون پیدا ہوتا ہے یہی وہ غذا ہے جس سے روح کو تقویت ملتی ہے اور انسان میں نیکی کی صلاحیتیں نشو ونما پاتی ہیں اور جوان ہوتی ہیں۔

دنیاوی بھلائی،تحریکی کامیابی،نفس مطمئنہ کے حصول،اللہ کی رضا اور جنت میں داخلے کیلئے اللہ کا ذکر ہی ہے جس سے ہمیں ہر حال میں اپنے دلوں کو آباد کرنا چاہیے،اپنی زبان پر اس کو جاری کرنا چاہیے،اپنے اعمال کو بھی ذکر اللہ سے ہی مزین کرنا چاہیے۔

ذکر کی راہ ہی وہ راہ ٹھہری جس سے دنیا میں اللہ کی طرف جدوجہد کا راستہ آسان ہو جاتا ہے۔اور ذکر کا راستہ ہی وہ راستہ ہے جس سے نفس اور دل اس کیفیت اور سانچے میں ڈھل جاتے ہیں جس سے آخرت میں اللہ کی رضا اور اس کی جنت ہمارے حصے میں آئے گی۔

یہی وجہ ہے کہ نبی کریمﷺ کی رسالت کے پہلے لمحے سے آخری لمحے تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ہدایت اور جو وحی آئی وہ کسی نہ کسی صورت میں ذکر کی ہدایت،ذکر کی تاکید اور ذکر کی تعلیم لے کر آئی یا خود ذکر کی صورت میں آئی۔صرف رب کے نام کی یاد کو اپنی جان کے ساتھ لگانے کا حکم دیا گیا۔"اپنے رب کا نام یاد رکھو اور سب سے کٹ کر اسی سے جڑ جاؤ (المزمل ۷۳: ۸)

جب بھی قرآن مجید نازل ہوا،یا تو اس نے ذکر کی تاکید کی یا خود اپنے اندر وہ مضمون

لے کر آیا جس سے ذکر کی کیفیت دل میں پیدا ہو۔خدا کی صفات کا بیان ،اس کے علم اور قرب کا بیان کہ وہ دلوں کا حال بھی جانتا ہے وہ سن رہا ہے، وہ دیکھ رہا ہے، وہ تمہارے قریب ہے تم جہاں کہیں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے، تمہاری شہ رگ سے زیادہ قریب ہے ۔یا اس کی رحمت اور اس کی ربوبیت اور اس کی جزا وسزا کا بیان ۔حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم سراپا ذکر ہے۔

"ہم نے جو کچھ نازل کیا ہے دراصل یاد ہے"(**الحجر ۱۵ :۹**)

<u>اللہ تعالیٰ کی مکمل اور مخلصانہ بندگی اور اللہ کی راہ میں جدو جہد کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ جو ہمارے لیے فتنے اور آزمائش کا سبب بنتی ہے وہ غفلت ہے</u>۔بات یہ نہیں ہوتی کہ ہم جانتے نہیں ہیں کہ کرنا کیا ہے۔کس بات میں اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اور کس بات میں اس کا غضب ہے۔کس عمل سے وہ خوش ہوتا ہے اور کس چیز سے وہ نا خوش ہوتا ہے ۔بلکہ دراصل ہم جب لغزش کا شکار ہوتے ہیں تو یہ سارا علم بھول جاتے ہیں۔

جب آدمی بھول جاتا ہے تو اس کے بعد اس کا ارادہ بھی کمزور ہو جاتا ہے ۔بھول اور ارادے کی کمزوری ہی بڑی خامیاں ہیں جو قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کی طرف ہمارا راستہ روکتی ہیں۔ سب جانتے، سب سمجھتے، سب معلوم ہونے کے باوجود ارادہ کمزور پڑ جاتا ہے، اور دل و دماغ پر غفلت کے پردے پڑ جاتے ہیں اس کا علاج صرف یہ ہے کہ اللہ کی یاد ہر وقت دل کے اندر رہے اور ساری زندگی میں جاری وساری ہو جائے ۔یہی وہ بات ہے جس کو نبی کریم ﷺ نے یوں بیان فرمایا ہے کہ "شیطان آدمی کے دل کی تاک میں لگا رہتا ہے جب آدمی خدا کو یاد کرتا ہے تو شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے اور جب وہ اللہ کی یاد سے غافل ہوتا ہے تو شیطان کو اس بات کا موقع ملتا ہے کہ وہ دراندازی کرے، اپنی چونچ ڈال دے اور اس کے دل کو اللہ تعالیٰ سے غافل کر دے" (**بخاری**)۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے جہاں بھی اپنے محبوب بندوں کی صفات بیان کیں وہاں کسی نہ کسی صورت میں ذکر کی صفت بیان کی ۔"ذکر کرنا اور کثرت سے ذکر کرنا"۔

" کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور کثرت سے اللہ کو یاد رکھنے والی عورتیں (الاحزاب ۳۳:۳۵)

"اللہ کو کثرت سے یاد کرو"(الجمعۃ ۶۲:۱۰)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس کی زندگی ذکراللہ کی یاد سے بھری ہوئی ہو، جس کے دل میں اللہ کا دھیان اور خیال ہو، جس کی زبان پر بھی اللہ کی یاد کے کلمات ہوں زندہ کی مانند ہے اور جس کے اندر یہ چیزیں موجود نہ ہوں اس کی مثال مردہ کی سی ہے۔زندگی اور موت کا ایک پیمانہ تو جسمانی ہے، لیکن زندگی اور موت کی ایک صورت وہ ہے جس کا سانس کے آنے جانے سے اور اُٹھنے بیٹھنے اور کھانے پینے سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ جس کا تعلق زندگی کے معنی ومفہوم کے شعور اور اس کے ساتھ وابستگی سے دل و جان کے معمور رہونے یا خالی ہونے سے ہے اگر دل اللہ کے پاس (حضوری میں) ہے اس کی یاد سے معمور ہے تو ہم زندہ ہیں۔اور اگر دل اس کی یاد سے خالی ہے تو پھر ہم روحانی طور پر مردہ ہیں۔

"تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ کو بھول گئے تو اللہ نے انھیں خود (ان کا) اپنا نفس بھلا دیا"۔ (الحشر ۵۹:۱۹)

اللہ سے غافل ہوکر ہم خود اپنے نفس سے، اپنی بہتری سے، اپنی غایتِ تخلیق سے، اپنے مقصد حیات سے غافل ہو جاتے ہیں۔دنیا میں بھی نقصان اٹھاتے ہیں اور سب سے بڑھ کر آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی جنت کے انعام سے بھی محروم ہو جاتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہوا، اس کو بھول گیا، اس نے اللہ کی طرف سے دیا ہوا سب سے بڑا سرمایہ یعنی وقت ضائع کر دیا، اس کی دی ہوئی ساری قوتیں ضائع کر دیں۔اپنے وقت اور قوتوں کو جنت خریدنے کے بجائے اس نے اللہ تعالیٰ کا غضب اور اس کی آگ خریدنے میں لگا دیا۔

دنیوی زندگی میں، دنیوی بہتری کی تلاش میں بھی کثرت سے اللہ تعالیٰ کی یاد ہی سب سے بڑا سرمایہ تقویت ہے۔اسی لیے فرمایا گیا:

"جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے رہو، شاید کہ تمھیں فلاح نصیب ہو جائے"(الجمعہ ۶۲:۱۰)

دنیا کے اندر جو عمر کے اللہ کی راہ میں، دشمنوں کے مقابلے میں پیش آتے ہیں، ان کے بارے میں بھی قرآن مجید کی سورہ الانفال ۸:۴۵ میں فرمایا گیا کہ اللہ کی یاد ہی فلاح اور کامرانی کی ضامن ہے
"اے ایمان والو، جب لڑو کسی فوج سے تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو تا کہ تم مراد کو پاؤ"۔

ذکر دراصل اس چیز کا نام ہے کہ ہر لحہ ہمارا جسم وہ کام کرے، ہمارے دل کے اندر وہ دھیان، خیال اور نیت ہو اور ہماری زبان پہ وہ کلمات ہوں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں، جو اس کو محبوب ہیں، جب ہاتھ اور پاؤں وہ کام کر رہے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ کی بندگی ہوتی ہے تو وہ بھی ذکر کر رہے ہیں۔ جب دل کے اندر اللہ کا خیال لگا ہوا ہے کہ وہ میرے ساتھ ہے اور مجھے دیکھ رہا ہے وہ کتنا مہربان ہے کتنا عظیم اور حکیم ہے اس سے ملاقات کرنی ہے یہ سب ذکر میں شامل ہیں۔

سب سے بڑھ کر اللہ کے کلمے کو بلند، اللہ کے کلمے کو دوسروں تک پہنچانا، جو کام اللہ تعالیٰ نے سپرد کیا ہے اس کو کرنا، جو حق اس نے ہمارے سپرد کیا ہے اس کے اوپر گواہ بن کر کھڑے ہونا، یہ کام ہیں۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجا کہ اس کے دربار میں جاؤ اور متکبر و جبار بادشاہ کو رب کی بندگی کی طرف بلاؤ۔ مظلوم، بے کس اور ضعیف بندوں کی آزادی کا مطالبہ کرو، تو یوں فرمایا کہ: "میری یاد میں ڈھیلے نہ پڑنا" (طٰہٰ ۲۰ : ۴۲)
دوسری طرف جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی کہ اے اللہ! کام بہت بھاری ہے زبان ساتھ نہیں دیتی، سینے کو کھول دے۔ کام کو آسان کر دے، ایک نائب عطا فرما تا کہ ہم دونوں اس کام کو کر سکیں، تو اپنے کام کی تعبیر انہوں نے جب دو الفاظ سے کی وہ یہ تھے۔
"تا کہ ہم خوب تیری پاکی بیان کریں اور خوب تیرا ذکر کریں"۔(طٰہٰ ۲۰ : ۳۳۔ ۳۴)
سو مجھے یاد رکھو، میں تم کو یاد رکھوں گا اور میرا شکر کرو اور ناشکری مت کرو"۔(البقرہ ۲ : ۱۵۲)
"اور نماز قائم کرو میری یاد کیلئے" (طٰہٰ ۲۰:۱۴)

نماز میں آپ کے دل و دماغ شریک ہوں۔ دل میں خشوع کی کیفیت ہو، اس میں خلوص کا رنگ ہو۔ نماز میں آپ کا پورا جسم اللہ کا ذکر کرتا ہے۔ سر اس کے آگے جھکا ہوتا ہے

ہاتھ اس کے آگے بندھے ہوتے ہیں، پیشانی اس کے آگے جھکی ہوتی ہے دل زبان اور جسم کے ان سارے کے سارے کاموں کا مجموعہ ذکر ہے۔ ذکر زبان سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کا نام ضرور ہے لیکن اس کے ساتھ وہ یہ بھی ہے کہ دل کا خیال اسی کی طرف لگا رہے دل میں اس کی یاد ہو اور جسم کے اعضاء بھی اسی کی یاد میں مصروف عمل رہیں۔

ذکر اجتماعی: اللہ تعالیٰ نے جہاں ایک طرف یہ فرمایا کہ ”مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں گا“ وہاں ایک حدیث قدسی میں اس کی مزید تشریح یوں فرمائی کہ جو مجھے اپنے دل کے اندر ،اپنے جی میں یاد کرتے ہیں ، میں ان کو اپنے دل ،اپنے جی میں یاد کرتا ہوں ۔اور جو میرا ذکر کسی مجلس میں کریں گے تو میں ان کا ذکر اس سے کہیں زیادہ بہتر مجلس میں کروں گا۔(بخاری ومسلم)
ذکر کے اجتماعی حلقوں کے سلسلے میں ایک طویل حدیث میں نبی کریم ﷺ نے یوں ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ فرشتے اس کام پر مامور ہیں کہ وہ راستے میں چکر لگائیں ،گھومیں ،پھریں اور ان لوگوں کو تلاش کریں جو اپنی زندگیاں اللہ کی یاد میں مشغول گزار رہے ہیں ،فرشتوں کے ان مطلوب انسانوں کو اس حدیث میں اہل ذکر کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے ۔جب یہ فرشتے کوئی ایسا گروہ پا لیتے ہیں ۔تو وہ کہتے ہیں کہ آؤ یہی تو وہ چیز ہے جس کو ہم تلاش کر رہے تھے پھر وہ ان کو اپنے پروں سے آسمان تک ڈھانپ لیتے ہیں۔(بخاری ومسلم)

ذکر ہماری غفلت کا علاج ہے ۔ہمیں اللہ سے قریب کرنے والا ،اپنے مقصد حیات سے اپنی بھلائی سے ،اپنے خیر سے آگاہ کرنے والا ہے ۔جب ہم اللہ کی راہ میں اتریں ،اللہ کی راہ میں کام کر رہے ہوں اور جنہوں نے اللہ کے دین کو قائم کرنے کا اور اس کے کلمے کو بلند کرنے کا ،اس کی بندگی کی دعوت کو پہنچانے کا کام اپنے ذمے لیا ہے ،وہ ہر وقت اپنے دل کو ،زبان کو اور پوری زندگی کو اللہ کی یاد سے معمور رکھیں ۔

فکرِ آخرت

(خالد محمود توحیدی)

دنیا کا محاسبہ آسان ھے : بندۂ مومن کو چاہئے کہ آخرت کے محاسبہ سے پہلے دنیا ہی میں اپنا محاسبہ کرے کیونکہ دنیا کا محاسبہ آخرت کے محاسبہ سے بہت سہل ہے نیز دنیا میں زبان کی حفاظت کر لینا آخرت کی ندامت سے آسان ہے۔

قول وعمل کا اختلاف: ہر شخص کہتا ہے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں لیکن عمل ایسے کرتا ہے کہ شاید یہ کسی کا بندہ نہیں اور کوئی اس کا مالک نہیں ہے۔ ہر ایک کہتا ہے کہ اللہ رازق ہے لیکن دنیا اور مال کے بغیر اس کا قلب مطمئن نہیں ہوتا۔ ہر شخص جانتا ہے اور کہتا ہے کہ آخرت دنیا سے بہتر ہے لیکن دنیا کا مال جمع کرنے میں دن رات مشغول رہتا ہے اور حلال حرام کی تمیز تک ختم کر دیتا ہے۔ کہتا ہے کہ موت ضرور آئے گی لیکن عمل ان جیسے کرتا ہے جن کو مرنا نہیں۔ موت کی تیاری نہیں کرتا۔

محبوب و مبغوض بندہ کی پہچان:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ محبوب اور مبغوض بندہ کی پہچان کیا ہے؟ فرمایا: محبوب بندہ کی دو علامتیں ہیں اور مبغوض کی بھی دو نشانیاں ہیں۔

محبوب بندہ کی دو علامتیں۔ ا۔ میں اس کو ذکر کی توفیق دیتا ہوں تا کہ جب وہ میرا ذکر کرے تو میں فرشتوں میں اس کا تذکرہ کروں ۔۲۔ اپنی نافرمانی سے اس کو بچاتا ہوں تا کہ عذاب کا مستحق نہ ہو۔

مبغوض بندہ کی دو علامتیں: ا۔ اس کو اپنا ذکر بھلا دیتا ہوں ۔۲۔ نفسانی خواہشات میں مبتلا کر دیتا ہوں تا کہ عذاب کا مستحق ہو۔

بد شکل دنیا !!

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت میں دنیا کو ایک بوڑھی عورت کی شکل میں لایا جائے گا ۔بال کچھ کالے کچھ سفید ہوں گے ،آنکھیں نیلی ہوں گی

دانت آگے کو نکلے ہوئے ہوں گے۔اتنی بدشکل کہ ہر دیکھنے والا کراہیت محسوس کرے گا۔دنیا مخلوق کی طرف متوجہ ہوگی،(لیکن مخلوق اس سے بیزار ہوگی)لوگوں سے کہا جائے گا پہچانتے ہو یہ کون ہے؟ لوگ کہیں گے اللہ اس کو نہ پہچانوائے۔کہا جائے گا یہ وہی تمہاری محبوب دنیا ہے جس پر تم فخر کیا کرتے تھے اور اس کے لئے آپس میں قتل وقتال،جھگڑا فساد کیا کرتے تھے۔پھر دنیا کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا وہ کہے گی یا اللہ میرے ساتھی اور مجھے چاہنے والے کہاں ہیں؟ چنانچہ ان کو بھی ساتھ کر دیا جائے گا۔واضح ہو کہ دنیا کو بطور سزا کے نہیں بلکہ دنیا کے پجاریوں کی حسرت وندامت کے لئے جہنم میں ڈالا جائے گا جس طرح بتوں کو کافروں کی حسرت وندامت کے لئے جہنم میں ڈالا جائے گا۔اب یہ سمجھدار انسان کا کام ہے کہ وہ دنیا کو سمجھے اور صرف بقدر ضرورت ہی استعمال کرے باقی وقت اور قوت آخرت سنوارنے میں صرف کرے۔قلب کو دنیا میں اتنا نہ لگائے کہ آخرت کو بھلا دے۔

دنیا : نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو آخرت کو مقصد بناتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے متفرق ومنتشر کاموں کو جمع اور قلب میں بے نیازی پیدا فرماتا ہے۔دنیا ذلت کے ساتھ اس کے قدموں پر گرتی ہے۔ اور جو دنیا کو مقصد بناتا ہے اس کے کاموں کو پراگندہ اور فقر کو اس کے لئے مقرر کر دیا جاتا ہے اور دنیا اتنی ہی ملتی ہے جتنی اس کے مقدر میں لکھی جا چکی ہے۔حضرت عمرؓ، جناب رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔آپ ﷺ کے جسم پر چٹائی کے نشانات دیکھ کر بے ساختہ رونے لگے آپ ﷺ نے رونے کی وجہ معلوم کی تو عرض کیا یہ قیصر وکسریٰ اللہ کے دشمن عیش وعشرت کی زندگی گزاریں اور سرور عالم محبوب رب العالمین ﷺ کی یہ کیفیت کہ چٹائی پر بچھانے کے لئے کپڑا ابھی نہیں فرمایا:''عمرؓ! ان لوگوں کو دنیا ہی میں ساری نعمتیں دے دی گئیں اور ہمارے لئے تمام نعمتیں جنت میں جمع فرما دی گئی ہیں'' (کاش اس حقیقت کو کوئی سمجھ لے تو غربت اور افلاس میں عیش کرے)۔ (روضتہ الصالحین)

تعجب ھے تم پر ! حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: حیرت ہے کہ تم دنیا کے لئے غیر معمولی محنت و مشقت کرتے ہو جبکہ تمہارے مقدر کی روزی ہر حال میں تم تک پہنچ کر رہے گی اور آخرت کے لئے ذرا بھی محنت نہیں کرتے جبکہ آخرت میں عملی محنت کے بغیر رزق نہیں ملے گا۔

کیا اس کی مثال مل سکتی ھے ؟ حضرت سلمانؓ بیمار تھے۔حضرت سعدؓ عیادت کیلئے تشریف لائے ان کو دیکھ کر حضرت سلمانؓ رونے لگے۔معلوم کیا کیوں روتے ہو؟ آپ سے تو آخیر وقت تک رسول اللہ ﷺ راضی رہے۔(وہ یہ سمجھے کہ شاید موت سے گھبرا رہے ہیں)فرمایا موت کے خوف یا دنیا کی لالچ کی وجہ سے نہیں رو رہا بلکہ اس لئے رو رہا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سب کو مسافر کی سی زندگی گزارنے کا حکم دیا اور میرے آس پاس بہت سارا سامان جمع ہے۔ کل قیامت میں حضور ﷺ کو کس طرح منہ دکھاؤں گا؟ان کے پاس ایک ٹب(کپڑا دھونے کیلئے) ایک بڑا پیالہ اور ایک لوٹا تھا۔(اللہ اکبر کیا آج کے دور میں اس زہد کا تصور بھی ممکن ہے؟)

حضرت سعدؓ بے حد متاثر ہو کر کہنے لگے مجھ کو کچھ وصیت فرمایئے۔فرمایا: تین موقعوں پر خاص طور سے اللہ کو یاد رکھنا:

(1)ارادہ کے وقت(کسی بھی کام کا ارادہ کرو)

(2)فیصلہ کرنے کے وقت(تا کہ انصاف سے نہ ہٹو)

(3)قسم کو پورا کرنے کے وقت(تا کہ قسم توڑنے کی نوبت نہ آئے)

خوف خدا کی علامت:

اللہ کا خوف سات باتوں سے ظاہر ہوتا ہے۔

(1)زبان: اللہ کے خوف کی وجہ سے جھوٹ، غیبت، چغلی اور فضول باتوں سے رک جاتی اور ذکر و تلاوت میں لگ جاتی ہے۔(2) پیٹ: انسان اپنے پیٹ میں حلال روزی داخل کرتا اور حرام سے بچاتا ہے بلکہ حلال بھی بقدر ضرورت۔

(3) آنکھ: حرام سے اعراض کرتی ہے اور حلال کی جانب بھی عبرت کے لئے دیکھتی ہے

رغبت کے لئے نہیں ۔(4)ہاتھ:ہر اس حرکت سے رک جاتا ہے جواللہ کو ناپسند ہو اس کی حرکت صرف اللہ کی رضا کے لئے ہوتی ہے ۔(5)قدم:اس کام کی طرف نہیں اٹھتا جس میں اللہ کی نافرمانی ہو بلکہ اللہ کی رضا کیلئے تیزی سے اٹھتا ہے ۔(6) قلب :اللہ سے ڈرنے والے دل میں بغض وعداوت اور حسد وغیرہ کی جگہ محبت ومروت ،ہمدردی واحترام ہوتا ہے ۔

(7)اخلاص:اللہ سے ڈرنے والا اخلاص کی جستجو کرتا رہتا ہے کہ کہیں اخلاص نہ ہونے کی وجہ سے سارے اعمال ہی ضائع نہ ہو جائیں ۔ایسے ہی لوگوں کے لئے قرآن کہتا ہے ۔

''اورآخرت آپ کے پروردگار کے نزدیک متقیوں کے لئے ہے''

''بے شک پرہیز گارلوگ امن کی جگہ میں رہیں گے''

رسول اکرم ﷺ کی وصیت : نبی کریم ﷺ نے ابو ذرؓ کو سات باتوں کی وصیت فرمائی کہ ان کو کبھی نہ چھوڑنا ۔ا۔مساکین کی محبت وقربت ۔۲۔اپنے سے چھوٹے اور کم حیثیت والے کی طرف دیکھنا (جس سے نعمت کے شکر کی توفیق ہوتی ہے)یہ حکم دنیا کے اعتبار سے ہے دین کے معاملہ میں ہمیشہ اپنے سے اعلیٰ اور افضل کو دیکھنا چاہئے تا کہ مزید نیکیوں کا شوق پیدا ہو ۔ ۳۔ہر حال میں صلہ رحمی کرنا ،چاہے لوگ قطع تعلق کریں ۔تعلق منقطع کرنے والوں کے ساتھ صلہ رحمی کرنا ہی تو اصل کمال ہے ۔

۴۔''**لا حول ولاقوۃ الا باللہ**'' کثرت سے پڑھتے رہنا(یہ کلمہ نیکیوں کا خزانہ ہے)۔

۵۔کبھی کسی سے سوال نہ کرنا (قربان جائیے سرکار دو عالم ﷺ پر کہ امت کی آبرو کا کتنا خیال تھا)۔

۶۔اللہ کے معاملہ میں ملامت کرنے والوں کی ملامت سے ڈرنا ۔(اللہ والوں کی یہی شان ہے)۔

۷۔ہمیشہ اور ہر حال میں حق بات کہنا خواہ کتنی ہی کڑوی کیوں نہ ہو ۔(یہی افضل جہاد ہے)

صحابہؓ کا بیان ہے کہ اس کے بعد ابو ذرؓ کی یہ کیفیت ہوگئی کہ سواری پر چلتے چلتے ہاتھ سے کوڑا گر جاتا تو کسی کو کوڑا اٹھانے کو نہ فرماتے بلکہ سواری سے اترتے اور خود اپنا کوڑا اٹھاتے ۔

(کاش !ہم اپنی عزت وخودداری کی قدر وقیمت کو پہچانیں !)۔

نبی اکرم ﷺ بحیثیت داعی اِلی الحق

(مرتبہ:سید رحمت اللہ شاہ توحیدی)

۲۷ جنوری ۲۰۱۳ بروز اتوار مرکز تعمیر ملت گوجرانوالہ میں شیخ سلسلہ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب توحیدی سے مریدین کی ماہانہ ملاقات جو ۱۲ ربیع الاول کی نسبت سے اور خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے یوم وصال (۲۳ جنوری ۱۹۷۷) کے حوالے سے خاص دعوتی رنگ کی حامل تھی

نعت رسول مقبول ﷺ کے بعد احمد رضا خان سیرت النبی ﷺ کے موضوع پر حاضرین سے مخاطب ہوئے۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ لمن کان یرجو اللہ والیوم الآخرو ذکر اللہ کثیرا۔

"تحقیق تمہارے لئے رسول پاک ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے، اس شخص کیلئے جو رجوع کرتا ہے اللہ کی طرف اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتا ہے"۔

عموماً ہماری نظروں سے اس آیت کا پہلا حصہ گزرتا رہتا ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ کی زندگی میں ہمارے لئے بہترین نمونہ ہے، آیت کا اگلا حصہ جو ہماری نظروں سے اوجھل رہتا ہے۔ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان اور اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ۔ یہ حصہ ہمیں بتائے گا کہ آپ ﷺ کی زندگی نمونہ کس طرح ہے۔

نبی کریم ﷺ کی زندگی سراسر عمل ہے۔ گفتار کی بجائے کردار۔ آپ ﷺ کی عمر چالیس سال تھی جب پہلی وحی آپ ﷺ پر غار حرا میں نازل ہوئی۔ اس کے بعد دوسری وحی جو آپ ﷺ پر نازل ہوئی وہ یہ تھی "یا یھا المدثر، قم فانزرو ربک فکبر"۔ 'چادر اوڑھ کر بیٹھنے والے! اٹھیے اور اللہ کی بڑائی بیان کیجئے'۔ اللہ کے نبی ﷺ کی پوری زندگی سے جو نقطہ ہمیں ملتا ہے وہ دعوت الی اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا پیغام جو آپ ﷺ نے ہر لحظہ لوگوں تک پہنچایا۔ اس کی اہمیت دیکھئے کہ ابھی دوسری وحی ہے اور آپ ﷺ کو ارشاد ہو رہا ہے کہ اللہ کا پیغام عام کر دیجئے۔

اگر چہ تین سال آپﷺ نے دعوت خفیہ رکھی، اپنے قریبی احباب اور دوستوں تک دعوت محدود رہی اللہ کی بڑائی بیان کرنے کیلئے یہ دوسری وحی ہے۔ سمجھ لیں کہ سب سے پہلی ڈیوٹی ہی یہ ہے کہ اللہ کی دعوت کو لوگوں تک پہنچانا۔ حضورﷺ کے اسوہ کامل سے ہمیں جو سبق ملتا ہے وہ یہ ہے کہ آپﷺ نے دعوت کی جو بات کہی وہ کردار سے ہے۔ حضورﷺ کا کردار "صادق الامین" تھا جس نے لوگوں کو مجبور کیا کہ آپﷺ جو کلمہ پیش کر رہے ہیں اسے قبول کریں۔ انہیں معلوم تھا کہ آپﷺ جو بات کہتے ہیں وہ برحق ہے۔ تین سال بعد اللہ تعالیٰ نے دعوت کو عام کرنے کا حکم دے دیا تو کوہ صفا پر چڑھ کر اعلان کیا کہ " کیا اگر میں تم سے کہوں کہ پہاڑی کے پیچھے سے دشمن کا لشکر آ رہا ہے تو کیا تم میری بات کا یقین کر لوگے؟" گواہی ثبت کر دی ان لوگوں نے کہ آپﷺ کو تو ہم نے ہمیشہ سچی بات کرتے ہوئے پایا ہے۔ آپﷺ اس سے پہلے تو کسی Institution میں نہیں گئے۔ یہ کوئی Pre-planning نہیں ہے، نہ ہی پہلے کوئی خواب آ رہے ہیں یا پہلے ہی کوئی چیز آپﷺ کو نظر آ رہی ہو۔ اگر چہ نبوت کیلئے تو اللہ تعالیٰ نے روز ازل سے چنا ہوا تھا۔ آپﷺ کا جو کردار تھا وہ اس بات کی تصویر بن گیا کہ لوگ آپﷺ کی بات کو اس سے پہلے کم از کم حق مان لیں۔ اگر چہ ایمان لانا یا نہ لانا ان کا نصیب۔

نبی اکرمﷺ کی بنیادی حیثیت ایک داعی کی ہے۔ آپﷺ کا اصل مشن بھی یہ تھا کہ اللہ کی ہدایت لوگوں تک پہنچا دیں انہیں اللہ کی کتاب اور حکمت و دانش کی تعلیم دیں اور ایک اُمت منظم کریں، ان کے اخلاق کا تزکیہ اور ان میں اعلیٰ کردار کے جوہر پیدا کریں۔ اسلام فکر و نظر اور علم و عمل میں ایک ہمہ گیر انقلاب کا داعی ہے۔ آپﷺ نے دعوت اسلامی کے کام کو باقی تمام کاموں پر مقدم رکھا اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کیلئے ہمہ تن اوّل تا آخر مصروف رہے۔ دعوت کے میدان میں کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ آپﷺ مکہ میں لگنے والے بازاروں میں جاتے، باہر کے دیہاتوں سے لوگ جو خریداری کرنے کیلئے آتے ان کو دعوت دیتے، جو لوگ سامان لے کر آتے ان سے ملاقاتیں کرتے، قافلے کے سرداروں کے پاس جاتے، دن رات

یہ پیہم جدو جہد آپ ﷺ نے کی۔ ایک لمحہ ایسا نہیں گزرا کہ جب آپ ﷺ آرام سے بیٹھے ہوں۔ آپ ﷺ نے نبوت کے بعد تیرہ سال کا کٹھن دورمکہ میں بھرپور دعوت کے کام میں گزارا۔ مکی زندگی میں عمل اور مدنی زندگی میں بھی عمل ہے۔ اللہ کی دعوت کو، اللہ کے پیغام کو لوگوں تک پہنچانے میں سستی اور کوتاہی نہیں کی۔ تکالیف، مصیبتیں اور آزمائشیں کوئی بھی چیز آپ ﷺ کو روکنے میں کامیاب نہیں ہوسکی۔ حتیٰ کہ قریش نے اس دعوت کے کام کو روکنے کے بڑے ناکام حربے کیے۔ سرداران قریش حضرت ابو طالب کے پاس آئے، حضرت ابو طالب نے آپ ﷺ سے کہا کہ بھتیجے قوم آئی ہے میرا کچھ خیال کرو۔ اللہ کے نبی ﷺ نے کہا کہ چچا میں اس دعوت کے کام سے باز نہیں آسکتا۔ اور فرمایا چچا جان! اگر یہ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند رکھ دیں اور کہیں کہ اس دعوت سے باز آجاؤ تو میں اس دعوت سے باز نہیں آؤں گا۔ تین سال کی آزمائش شعب ابی طالب کے اندر کہ جب قریش نے سب سے مشکل اور سب سے بدترین حربہ استعمال کیا کہ آپ ﷺ کا سوشل بائیکاٹ کردیا۔ کوئی بندہ ملاقات نہ کرے، نہ رشتہ داری کرے، نہ کاروبار کرے۔ سارا قبیلہ ایک جگہ پر سمٹ آیا۔ ظاہر ہے جب کسی نے ملنا جلنا نہیں تو ایک جگہ اکٹھا ہی ہونا ہے۔ بڑی بڑی تکالیف جھیلیں لیکن پایہ ثبات میں لغزش نہ آئی۔ اس کے بعد مدنی زندگی میں آجائیں۔ وہاں بھی اللہ کی بات، اللہ کے دین کی دعوت۔ اللہ سے پیار کی بات۔ ایک لمحہ بھی ایسا نہیں گزرا جب آپ ﷺ نے اس دین سے اعراض برتا ہو، یا سستی دکھائی ہو۔ جس طرح نبی کریم ﷺ نے حق کی گواہی دی، اب اسی طرح پوری اُمت کو تمام انسانیت کے سامنے اس حق کی شہادت دینا ہے۔ اب دعوت حق کی ذمہ داری پوری اُمت کے کاندھوں پر ہے۔ قرآن پاک میں حکم دیا گیا ہے کہ "تم بہترین اُمت ہو جو لوگوں کے درمیان سے نکالے گئے ہو۔ "تامرون بالمعروف" نیکی کا حکم دیتے ہو۔ "و تنہون عن المنکر" اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔ اللہ نے قرآن میں بھی ہماری ڈیوٹی متعین کردی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ربّ کے پیغام کو غائبین تک پہنچانا ہے۔ ہر مسلمان پر یہ فرض ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ نے

فرمایا! دین کی ایک بات جو تم تک پہنچے وہ بھی آگے پہنچاؤ۔ یہ ہے آپ ﷺ کے اسوہ کامل کا عملی پہلو۔ اللہ اور اسکے حبیب ﷺ نے دعوت کے کام کی ذمہ داری ہم پر عائد کی ہے، ہم اس کو آگے پہنچائیں۔

توحیدِ خالص

اسوہ حسنہ کے بے شمار پہلو ہیں توحید کو پکڑ لو۔ اللہ کو ایک مان لو، نہ کسی کے آگے جھکو، نہ کسی سے مراد مانگو، نہ کسی سے کسی صلہ ستائش کی تمنا رکھو۔ رب کو ہی اپنی امیدوں کا مرکز و محور بنا لو۔ اور اس کے بعد آخرت کو مان لو کہ ایک دن ہم نے اس دنیا سے جانا ہے اور اس ربّ کے سامنے جواب دینا ہے۔ یہ دو نقطے ایسے ہیں کہ اللہ نے حضرت آدمؑ سے لے کر نبی کریم ﷺ تک جتنے بھی انبیاء بھیجے ہیں، تمام انبیاء کی دعوت میں یہ دو نقطے مشترک ہیں۔ شریعتوں میں تھوڑا تھوڑا فرق رہا ہے۔ کسی میں پاکی، ناپاکی کے احکام اور ہیں، کسی میں عبادت کا طریقہ اور ہے لیکن یہ دو نقطے ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت ہر نبی کی دعوت کا مرکز و محور رہے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے خود ہی حل بتایا ہے کہ آپ نے اسوہ کی پیروی کرنی ہے، ان دو چیزوں پر ایمان لے آئے ہو تو وذکر اللہ کثیرا۔ 'اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔ باباجی فرماتے ہیں کہ اللہ نے کسی چیز کو کثرت سے کرنے کیلئے نہیں کہا ماسوائے اپنی یاد کے، ماسوائے اپنے ذکر کے۔ اس حوالے سے ہم دیکھتے ہیں کہ ہم کتنے خوش نصیب ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کی راہ دکھائی۔ باباجی قبلہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شکل میں ہمیں ایک ایسی ہستی عطا کی ہے جنہوں نے ہمارے لئے ان تمام چیزوں کو ایک جگہ اکٹھا کر دیا ہے توحید: یعنی رب ہی سب کچھ ہے۔ ہم برصغیر کے لوگوں میں سے بت پرستی نہیں نکل رہی کیونکہ ہمارے آباؤ و اجداد نے ہزاروں سال بتوں کی پوجا کی ہے۔ ہمارے بڑے ہندو تھے، سکھ تھے۔ ہمارے اندر بت پرستی کا لگا ہوا بیج بہت مشکل سے نکلتا ہے۔ غیر شعوری طور پر ہم قبر پرستی، بت پرستی، شخصیت پرستی کا شکار ہیں۔ باباجیؒ کو پتہ تھا جو ہمارے اردگرد ہو رہا تھا اور آج بھی ہو رہا ہے۔ باباجیؒ نے ہمیں تصوف کی سہل العمل تعلیم متعارف کرائی ہے جو قرآن و حدیث کے عین مطابق اور خالص توحید پر مبنی ہے۔

اللہ سے محبت کی کسوٹی

(محمد یوسف اصلاحی)

اللہ کی توفیق اور عنایت سے آپ کو ایمان کی بے بہا دولت حاصل ہے آپ انتہائی خوش نصیب ہیں کہ ایمان کی روشنی میں زندگی گزار رہے ہیں اور آپ کی انتہائی آرزو یہ ہے کہ ایمان ہی پر آپ کا خاتمہ ہو، اللہ آپ کو استقامت بخشے اور آپ کی پاکیزہ آرزو پوری کرے۔ آمین۔

قرآن پاک کی نظر میں ایمان والے وہ لوگ ہیں جو اللہ سے شدید محبت رکھتے ہیں۔

"اور ایمان والے اللہ سے شدید محبت رکھتے ہیں"۔(البقرہ:۲:۱۶۵)

ایمان ایک معنوی چیز ہے جسے دیکھا نہیں جا سکتا۔ پھر آپ کو کیسے اطمینان ہو کہ آپ واقعی اللہ سے شدید محبت رکھتے ہیں یا یہ محض ایک خیال اور مفروضہ ہے۔

اللہ نے اس معاملے میں بھی آپ کی دستگیری فرمائی ہے اور آپ کو اندھیرے میں نہیں چھوڑا ہے۔ اللہ نے آپ کو ایک ایسی کسوٹی بتا دی ہے جس کی مدد سے آپ نہایت آسانی کے ساتھ معلوم کر سکتے ہیں کہ آپ اللہ کی محبت میں کس حد تک صادق ہیں، اللہ سے محبت کی کسوٹی اتباع رسول ﷺ ہے۔ اللہ سے محبت کا دعویٰ یقیناً سچا ہے اگر آپ کی زندگی رسول ﷺ کی اتباع میں گزر رہی ہے اللہ کا ارشاد ہے:

اے رسول ﷺ: لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم واقعی اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو"۔ (آل عمران ۳:۳۱) اس ارشاد کا صاف مطلب یہ ہے کہ اللہ سے محبت کے دعوے میں وہی لوگ سچے ہیں جو رسول ﷺ کی پیروی میں زندگی گزار رہے ہیں اور جن کی زندگیاں اتباع رسول ﷺ سے محروم ہیں وہ اپنے دعویٰ محبت کو اپنے عمل سے جھٹلا رہے ہیں۔

محبت کے جواب میں محبت ہی ملتی ہے، آپ اللہ سے محبت کریں گے تو وہ بھی آپ سے محبت کرے گا اور آپ کے گناہوں پر مغفرت کا پردہ ڈال دے گا۔ شرط یہ ہے کہ آپ کی محبت سچی ہو

اور آپ زندگی کے ہر میدان میں رسول ﷺ کی کامل پیروی کر کے اپنی محبت کا ثبوت فراہم کریں۔ مومن کی اس سے بڑی سعادت اور کیا ہوگی کہ اللہ اس سے محبت کرنے لگے اور اس کو گناہ کی آلائشوں سے پاک کر کے اس کی مغفرت فرما دے۔ اللہ کا ارشاد ہے:

"تو اللہ تم سے محبت کرنے لگے اور تمہارے گناہوں کی مغفرت فرما دے گا"۔ (آل عمران:۳:۳۱)

بے شک سنت رسول ﷺ کی پیروی بندے کو اللہ کا محبوب بنا دیتی ہے اور اللہ ایسے بندے کو گناہوں سے پاک صاف کر دیتا ہے۔ مگر رسول ﷺ کی پیروی وہی شخص کر سکتا ہے جو رسول اللہ ﷺ سے والہانہ محبت رکھتا ہو۔ رسول ﷺ کی سچی محبت کے بغیر آپ ﷺ کی سنت پر چلنا محال ہے، اسی لیے اللہ کی کتاب نے بھی محبت رسول ﷺ کو ایمان کی بنیاد قرار دیا ہے اور اللہ کے رسول ﷺ نے بھی اس حقیقت کی تصریح کی ہے، قرآن کا ارشاد ہے۔

"ایمان والوں کے لیے اللہ کے رسول ﷺ ان کی اپنی جانوں سے بھی مقدم ہیں"۔ (الاحزاب ۶:۳۳)

ایک مجلس میں نبی ﷺ یہی حقیقت ذہن نشین کرا رہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا:

"تم میں سے کوئی شخص، مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے لیے اس کے باپ سے، اس کی اولاد سے اور سارے ہی لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں"۔ (بخاری، کتاب الایمان)

اس مجلس میں خلیفہ ثانی فاروق اعظمؓ جیسے صحابی بھی موجود تھے، کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھے والدین سے بھی زیادہ عزیز ہیں اولاد سے بھی زیادہ عزیز ہیں مگر اپنی جان سے زیادہ عزیز نہیں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا "عمر! ابھی تمہارے ایمان کی تکمیل نہیں ہوئی" اور پھر اس محبت میں فاروق اعظمؓ نے کیا مقام حاصل کیا، اس کی ایک جھلک آپ اس ایمان افروز واقعہ میں دیکھئے اللہ کے رسول ﷺ دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ فاروق اعظمؓ محبت رسول میں مدہوش، ننگی تلوار لیے کھڑے ہیں اور کہہ رہے ہیں "جو شخص یہ کہے گا کہ رسول ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے" "میں اس کا سر قلم کر دوں گا۔"

صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ سے کس قدر والہانہ محبت رکھتے تھے، اس کی ہلکی سی جھلک اس واقعہ میں دیکھئے جو رسول اللہ ﷺ کے ایک جواں سال صحابی حضرت انسؓ نے بیان کیا ہے۔

صحرا کے خیمے میں رہنے والے ایک اعرابی حضورﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا ''یارسول اللہﷺ ! قیامت کب آئے گی'' اتنی دیر میں نماز کے لیے اقامت ہوگئی اور آپﷺ نماز پڑھانے کھڑے ہوگئے ۔نماز کے بعد اعرابی کو بلایا اور پوچھا ''کہ تم نے قیامت کے لیے کیا تیاری کر رکھی ہے؟'' اعرابی نے سادگی سے کہا ''یا رسول اللہﷺ ! میں نے نمازوں میں کوئی غیر معمولی سرگرمی تو نہیں دکھائی ہے، البتہ مجھے اللہ اور اس کے رسولﷺ سے محبت ہے'' اس کے جواب میں حضورﷺ نے فرمایا۔

" آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے اسے محبت ہے"۔(بخاری کتاب الادب)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے ''یہ خوش خبری سن کر صحابہ کرامؓ اس قدر خوش ہوئے کہ اسلام لانے کے بعد میں نے ان کو اس قدر خوش کبھی نہیں دیکھا تھا''

رسولﷺ کی والہانہ محبت ہی آدمی کو اتباع شریعت کے لیے آمادہ کرتی ہے وہ شخص اتباع رسولﷺ میں دو قدم بھی نہیں چل سکتا، جس کا دل محبت رسولﷺ سے خالی ہے اور یہ حقیقت بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ اسلام میں محبت رسولﷺ کے کسی ایسے تصور کی قطعاً گنجائش نہیں ہے جو سنت سے بے نیازی یا بے زاری کے ساتھ ہو، سنت رسولﷺ سے انحراف کے ساتھ عشق رسول کا دعویٰ گمراہ کن فریب ہے ۔اتباع سنت پر آمادہ کرنے والی چیز رسولﷺ کی محبت ہے اور سنت سے محبت ہی دراصل رسول سے محبت ہے رسول اللہﷺ نے خود فرمایا ہے ،میری سنت کو چاہنے والے ہی دراصل میرے چاہنے والے ہیں۔

"جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی"۔غفلت، لاپرواہی، سہل انگاری اور جذبات نفس سے مغلوب ہو کر کبھی آدمی کوتاہی کرتا ہے اور کر سکتا ہے ۔اور یہ کوتاہی محبت رسولﷺ سے محرومی کی دلیل نہیں ہے ۔لیکن یہ تصور اطمینان کہ سنت سے مسلسل انحراف اور بیزاری کرتے ہوئے بھی آدمی عاشق رسولﷺ ہے بدترین خودفریبی ہے۔

رسول اللہﷺ سے آپ کی محبت کا کیا حال ہے، اس کا جائزہ ضرور لیجئے لیکن خواہ مخواہ

اپنے سے بدگمانی اور مایوسی بھی صحیح نہیں ہے اور یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ آپ اپنی سستی اور کوتاہ کاری پر دھیان ہی نہ دیں اور اطمینان کی سانس لیتے رہیں۔

آپ نے کبھی غور کیا کہ شب و روز میں کتنی بار آپ کو رسول ﷺ کی یاد تڑپاتی ہے اور کتنی بار بے اختیار آپ کی زبان پر درود و سلام کے کلمات آجاتے ہیں نماز میں بے شک آپ درود پڑھتے ہیں اور دن رات کی نمازوں میں کئی بار پڑھتے ہیں۔لیکن اس کے علاوہ کبھی حضور اکرم ﷺ کے بے پایاں احسانات کو یاد کر کے جذبات عقیدت و محبت سے بے تاب ہو کر بھی درود و سلام کے نذرانے آپ نے پیش کیے؟ کبھی یہ سوچ کر بھی آپ کی آنکھیں بھیگ گئی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کی خاطر جو لرزہ خیز دکھ اُٹھائے ہیں آپ اس کا کوئی بدل نہیں دے سکتے؟ کبھی آپ نے جاں نثاری اور فداکاری کے جذبات سے سرشار ہو کر اللہ سے یہ التجائیں کی ہیں کہ پروردگار! تیرے حبیب ﷺ نے ہماری خاطر جس اضطراب اور غم میں اپنی راتیں گزاری ہیں اور جن ہولناک مصائب میں اپنے دن بتائے ہیں اس کا کوئی بدلہ ہم نہیں دے سکتے۔پروردگار! تو ہی اپنی خاص رحمتیں نازل فرما اور انہیں اپنے تقرب کے وہ بلند درجات عطا فرما،جن کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔آپ کے دل میں کبھی یہ خواہش ابھری ہے کہ آپ کو رسول اللہ ﷺ کا دیدار ہو اور آپ ان کی زیارت سے اپنی آنکھیں روشن کریں کیا آپ کبھی ان کو دیکھنے کے لیے تڑپے ہیں کیا کبھی آپ اس تصور کے ساتھ سوئے ہیں کہ خواب میں آپ کو رسول اللہ ﷺ کی زیارت نصیب ہو ،زیارت رسول اللہ ﷺ کے لیے آپ نے کبھی کسی سے کوئی تدبیر پوچھی ہے کیا کبھی اس کی خاطر آپ نے درود و سلام کی کثرت کا اہتمام کیا ہے؟

ایک بار حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ نے حضرت فضل رحمٰن گنج مرادآبادی سے سوال کیا کہ ''کوئی خاص درود شریف بتایئے جس سے رسول اللہ ﷺ کی زیارت نصیب ہو''فرمایا ''کوئی خاص درود تو نہیں ہے بس خلوص پیدا کرنے کی ضرورت ہے'' پھر کچھ تامل کے بعد فرمایا ''حضرت سید حسینؓ کو اس درود کا عمل کارگر ہوا'' "اے اللہ! رحمت نازل فرما محمد ﷺ اور ان کی

آل اولاد پر اور ان تمام چیزوں کی تعداد کے بقدر جو تیرے علم میں ہیں"۔

کبھی آپ کو اس غم نے بھی تڑپایا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کا لایا ہوا دین آج مغلوب و مظلوم ہے، آپ ﷺ کی شریعت زندگی کے ہر میدان سے بے دخل ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے خون سے جس باغ کو سینچا تھا، آج وہ اجڑ رہا ہے۔ جس دین کو قائم کرنے کے لیے آپ ﷺ نے مکہ کی گلیوں، طائف کے بازاروں اور بدر، احد کے میدانوں میں طرح طرح کی اذیتیں برداشت کی تھیں، آج وہ دین مٹایا جا رہا ہے۔ کیا یہ سوچ کر واقعی آپ کی بے چینی بڑھ جاتی ہے اور آپ اس عزم کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں کہ اپنا سب کچھ آپ اس راہ میں قربان کر کے ہی اللہ کے حضور پہنچیں گے۔ رسول کریم ﷺ سے گہرے تعلق کے بغیر آپ ﷺ کی اتباع ناممکن ہے اور نہ ایسی اتباع مطلوب ہے۔ اللہ کی محبت کے لیے جس اتباع رسول ﷺ کو کسوٹی بتایا گیا ہے وہ وہی اتباع ہے جو دلی عقیدت و محبت کے ساتھ کی جائے۔

فرمودات خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ اقتباس از تعمیر ملت

برائیوں کی نفی: غصہ، نفرت، غیبت اور بدگمانی کے جذبات کو دل سے بالکل نکال دو، ان سے خود تمہارے دل و دماغ کو تکلیف ہوتی ہے، اس آدمی کا کچھ نہیں بگڑتا جس کے خلاف تم یہ جذبات رکھتے ہو۔ لوگوں کی برائیوں کو دیکھ کر تمہارے دل میں نفرت کا نہیں بلکہ رحم کا جذبہ پیدا ہونا چاہئے۔ برائی کی وجہ سے کسی سے نفرت نہ کرو، ان کی برائیوں کے متعلق قیامت میں تم سے سوال نہ کیا جائے گا، انہی سے پوچھا جائے گا۔ البتہ اس نفرت کی وجہ سے تمہارے دل میں جو کثافت پیدا ہوگی وہ مرنے کے بعد تمہیں سخت تکلیف پہنچائے گی۔ جو آدمی تمہارے ساتھ برائی کرے اس کا جواب ہمیشہ نیکی سے دو، یہاں تک کہ وہ تمہارا دوست بن جائے۔ بہتر یہ ہے کہ کسی کی برائیوں پر نظر ہی نہ کرو صرف خوبیوں کو دیکھو۔

مقام محبت

(حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ)

"عشق ھی زندگی کا سوز عشق ھی زندگی کا ساز "

جن باطنی اعمال کو حاصل کرنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے ان میں سے ایک اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے۔

"اور جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ اللہ سے زیادہ محبت رکھتے ہیں" اور حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک اللہ اور اس کا رسول اس کے لئے ہر ماسویٰ سے زیادہ محبوب نہ ہوجائے"

محبت کا دعویٰ کر دینا تو بہت آسان ہے اور ہر شخص یہ زبانی خدمت انجام دے سکتا ہے لیکن اصل دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ محبت کی کچھ حقیقت بھی دل میں موجود ہے یا نہیں۔ دنیا کی ہر چیز کی طرح محبت کی بھی ایک علامت ہے اور وہ علامت محبوب کی اطاعت ہے۔ اسی حقیقت کو قرآن کریم نے اس طرح واضح فرمایا ہے کہ:

"آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم کو محبوب رکھے گا"۔

محبت کیسے حاصل ہو؟ اس سلسلے میں سب سے پہلا قدم یہ ہے کہ انسان اپنے دل کو دوسری محبتوں سے خالی کرے۔ صوفیاء کرامؒ نے بالکل درست فرمایا ہے کہ قلب ایک ایسا برتن ہے جس میں دو چیزیں بیک وقت جمع نہیں ہوسکتیں دل کو اللہ تعالیٰ نے خالصتاً اپنے لئے ہی بنایا ہے اب اگر یہ دل دنیا کی اور جاہ و مال کی محبت سے بھرا ہوا ہو تو اس میں اللہ کی محبت کیسے آئے؟

دل کا صحیح مصرف اللہ کی یاد ہے بقدر ضرورت دیگر اشیاء کے خیال میں مضائقہ نہیں، لیکن دل کو دنیوی امور ہی کی محبت اور انہی کی فکر سے معمور رکھنا غلط ہے۔انبیاء واولیاء میں اور ہم میں فرق یہی ہے کہ دنیوی کام وہ بھی کرتے تھے اور ہم بھی کرتے ہیں، مگر وہ "دست بکار و دل بیار" کے مصداق تھے۔خالص دنیا کے کام انجام دیتے وقت بھی ان کا قلب اللہ کے ذکر اور اس کی یاد میں محو ہوتا تھا اس کے برعکس ہمارا حال یہ ہے کہ ان کاموں میں ہمارے ہاتھ پاؤں تو کم صرف ہوتے ہیں مگر دل ہر وقت دنیا ہی میں مشغول رہتا ہے۔حضرت عائشہ صدیقہؓ سے کسی نے پوچھا کہ حضورﷺ کی گھریلو زندگی کیسی تھی ؟ انہوں نے فرمایا کہ آپﷺ اس طرح گھر میں تشریف لاتے تھے جس طرح دنیا کے سب مرد لیکن فرق یہ ہے کہ تمام دنیوی امور انجام دینے کے ساتھ ساتھ جب کان میں اذان کی آواز پڑتی تھی تو

"اس طرح اٹھ کر چلے جاتے تھے جیسے پہچانتے ہی نہیں"

امام ابوداؤدؒ کے اساتذہ میں سے ایک بزرگ حداد(لوہار) تھے۔ان کا معمول یہ تھا کہ گرم لوہے پر ضربیں لگاتے لگاتے جس وقت اذان کی آواز کان میں پڑتی تو اگر ہتھوڑا سر سے اوپر اٹھایا ہوا ہوتا تو اسے وہیں پیچھے کی طرف چھوڑ دیتے تھے۔اور ایک ضرب کو کام میں لانا بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔۔حضرت طلحہؓ نے بڑی خطیر رقم صرف کر کے ایک باغ لگایا تھا ایک دن دیکھ بھال کیلئے باغ میں گئے ذرا فرصت ملی تو نماز کیلئے کھڑے ہو گئے۔اتنے میں ایک پرندہ آ کر کھجوروں کے خوشوں میں الجھ گیا۔اور پھڑ پھڑانے لگا۔حضرت طلحہؓ کی نگاہ اس پر پڑی تو ذہن کچھ دیر کیلئے نماز سے ہٹ کر اس طرف متوجہ ہو گیا۔سلام پھیرا اور جا کر حضرت عثمانؓ سے کہا کہ یہ باغ مجھے اللہ کی یاد سے غافل کرتا ہے اس لئے میں اسے صدقہ کرتا ہوں۔(موطا امام مالکؒ)

اللہ کی محبت حاصل کرنے کیلئے سب سے پہلا کام یہ ہے کہ دل کو غیر اللہ کی محبت سے

فارغ کیا جائے۔اس کے علاوہ دوسرا طریقہ"معرفت" کی کوشش ہے۔عقلی طور سے انسان غور کرے تو کسی کے ساتھ محبت کرنے کے عموماً یہ اسباب ہوتے ہیں،حسن و جمال،فضل و کمال ملک و مال اور یہ چیزیں ذات باری تعالیٰ میں اس درجہ مکمل طور پر پائی جاتی ہیں کہ کسی اور میں نہیں پائی جاسکتیں مخلوق میں جہاں کہیں ان میں سے کوئی چیز موجود ہے وہ اللہ ہی کی عطا کردہ ہے۔ لہذا عقلاً اللہ سے زیادہ محبوبیت کا مستحق کوئی نہیں حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ

"جسے اللہ کی معرفت حاصل ہو وہ اس کے سوا کسی سے محبت نہیں کرے گا اور جو شخص دنیا کی حقیقت پہچان لے وہ اس سے کنارہ کشی اختیار کرے گا"

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اس کائنات کا ہر ذرہ معرفت حق کا راستہ ہے۔جس مخلوق پر بھی تفصیلی نگاہ ڈالو،وہ اپنے خالق کی عظمت پر دلالت کرے گی۔

محبت الٰہی کے حصول کا تیسرا طریقہ"ذکر لسانی" ہے انسان اگر کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کرے تو رفتہ رفتہ اللہ کی محبت دل میں پیدا ہو جاتی ہے۔"ذکر" کے دوران اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ ذہن اور دل زیادہ سے زیادہ"ذکر" ہی کی طرف متوجہ رہیں۔دوسرے خیالات میں نہ الجھے۔راہ سلوک میں جمعیت خاطر رکھنا اور تشویش و وساوس سے دل کو پاک رکھنا ضروری ہے۔غیر اختیاری افکار میں تو مضائقہ نہیں لیکن غیر ضروری افکار دل کا ستیاناس کر دیتے ہیں"

مقام محبت کے حصول کا اصلی طریقہ کسی اولیا اللہ کی صحبت ہے،اپنے آپ کو کسی مرشد کامل کے حوالے کئے بغیر عموماً یہ مقام حاصل نہیں ہوتا کیونکہ ان مقامات کو حاصل کرنے کے طریقے،لوگوں کا مزاج علیحدہ علیحدہ ہونے کی وجہ سے مختلف ہوتے ہیں اور انہیں کوئی شیخ کامل ہی پہچان سکتا ہے۔

اسلامی قدریں

(ڈاکٹر غلام جیلانی برق)

اقدار کی دو قسمیں ہیں:۔

اوّل: وہ جو انسان کو عظمت و احترام عطا کرتی ہیں۔ مثلاً علم، عبادت، حیا، عصمت، شجاعت، عدل و احسان وغیرہ۔ یہ اسلامی قدریں ہیں۔

دوم: وہ جو عیاش، کاہل، بزدل، خودغرض اور ذلیل بناتی ہیں یہ غیر اسلامی قدریں ہیں یہ دونوں قسم کی اقدار ازل سے باہم ٹکرا رہی ہیں۔ اور یہ تصادم ہنوز جاری ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

(علامہ اقبالؒ)

ہر زمانے میں اللہ کے نیک بندوں کی کوشش یہی رہی ہے کہ اعلیٰ اقدار رائج ہوں اور زمین پر آسمان کی بادشاہت قائم ہو۔ لیکن عیاش بادشاہوں اور بدمست سرمایہ داروں نے ان کا مقابلہ کیا۔ اور غلط اقدار کو فروغ دینے کے لئے مختلف طریقوں سے کام لیا۔ مثلاً

اول: بے ضمیر خوشامدیوں کو بڑے بڑے خطابات و مناصب دیے۔

دوئم: علماء مصنفین اور مفکرین کو نظر انداز کیا۔

سوئم: ثقافت کے نام سے رقص و سرور کی محفلیں جمائیں تاکہ ایک بیمار و ناہموار ذہن تیار ہو سکے

چہارم: سیاست کو دین سے الگ کر دیا تاکہ جو جی میں آئے کریں۔

عیاشی، نیرو (مشہور اوباش رومی شہنشاہ) کی میراث ہے اور فقر علیؓ و عمرؓ کی میراث۔ عیاشی سے ایسے انسان تیار ہوتے ہیں جو سہل انگار، بزدل، مسرف، مبذر، خودغرض، سنگدل، متکبر، سیہ کار اور متمرد ہوں۔ گو یہ لوگ عموماً اس حقیقت سے آگاہ ہوتے ہیں کہ تقدیر اُمم کی آخری منزل

طاؤس ورباب ہے تاہم وہ اس انجام بد کی طرف سرپٹ بھاگتے نظر آتے ہیں۔اور تنقید ضمیر سے بچنے کے لئے ہر شخص کو اپنا ہم مشرب (شرابی، کبابی) بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

دوسری طرف اسلام،صوم وصلوٰۃ،حج وزکوٰۃ،ایثار و جہاد اور علم وعشق سے ایسے لوگ پیدا کرنا چاہتا ہے جو

1- علیؓ کی طرح خیبر شکن،عمرؓ کی طرح عادل،صدیقؓ کی طرح سراپا ایثار اور اویس وابوذرؓ کی طرح سجدہ گزار ہوں۔

2- جن کا مقصد دنیا وعقبیٰ کی تمام منازل رفیعہ کو سر کرنا ہو۔ظاہر ہے کہ یہ مقصد جہاں گیر علم اور یزداں گیر عشق کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔

3- جو سادگی پسند،صادق القول،منکسر المزاج،قانع،عادل،دیانتدار،خادم خلق اور دنیا کی آرائشوں سے دور رہوں۔

4- اللہ اور اس کی مخلوق سے بے پناہ محبت کرتے ہوں وہ اللہ کیلئے جیتے اور اسی کے لئے مرتے ہوں۔

5- دنیا میں قیام امن وسلامتی کے لئے کوشاں ہوں۔

6- دنیا کو آخرت کی کھیتی سمجھتے ہوں۔

7- جن کے قلب ونگاہ میں بہاروں کا حسن اور شبنم کی لطافت ہو۔

8- ان لذتوں سے دور ہوں جو بالآخر غم میں بدل جاتی ہیں مثلاً بادہ نوشی،قماربازی وعیاشی وغیرہ

9- غم ومسرت خواب وخور اور اقوال واعمال میں معتدل ہوں۔کائنات میں امن اور انسانیت میں فروغ اسی اعتدال سے وابستہ ہے۔

10- وہ اپنے آپ کو اللہ کے سامنے جواب دہ سمجھتے ہوں اور جانتے ہوں کہ گناہ اور تباہی مترادف الفاظ ہیں کہ دنیا میں مکافات عمل کی چکیاں پوری رفتار سے چل رہی ہیں اور بدکاروں کو بے دھڑک پیس رہی ہیں۔

11- انہیں علم ہو کہ انسان کی عظمت اللہ کی رفاقت میں ہے۔عقل بڑی چیز ہے لیکن ایک دنیا

عقل سے آگے بھی ہے۔روح کی دنیا ۔اس کے لازوال اور سرمدی قوانین کی دنیا انسان کی نجات انہی قوانین کی تعمیل میں ہے اورانہی سے خودی کی حدود متعین ہوتی ہیں بقول علامہ اقبالؒ: حدودِ خودی کے تعین کا نام شریعت ہے اور شریعت کو قلب کی گہرائیوں میں محسوس کرنے کا نام طریقت۔

12- انہیں یقین ہو کہ اس متحرک ومتبدل کائنات میں ہر تغیر ایک مافوق الادراک حکمت کے تحت ہورہا ہے جس کے خلاف لب کشائی حماقت ہے۔ناکامیوں سے نباہ انسان کا سب سے بڑا کارنامہ ہے اوریہیں سے وہ سکون جنم لیتا ہے جس سے آج کی دنیا قطعاً محروم ہوچکی ہے۔

زندگی میں دکھ کیوں ہے؟۔اس سوال کا جواب فلسفہ نہیں بلکہ صرف مذہب دے سکتا ہے جو دکھ کو گناہ کا نتیجہ قرار دیتا ہے۔اگر زندگی خدائی مشیت کے مطابق بسر ہو۔تو سراپا سکون ہے ۔ورنہ سراپا الم۔عصرِ رواں میں لااللہ سائنس حیات انسانی کے لئے ایک خطرہ بن گئی ہے ۔اس کا علاج نہ اقوام متحدہ کے پاس ہے نہ روس وامریکہ کے پاس۔بلکہ اسلامی نظریہ زندگی میں ہے۔جو خدمت،محبت،شرافت،مروت،احسان،عدل اور رحم کی تعلیم دیتا ہے۔ذہنی اضطراب کی ایک اور وجہ خودغرضی،حسد،رقابت،زراندوزی کا جذبہ اورناانصافی ہے اور یہ بیماریاں اسلام کے حیات بخش امرت ہی سے دور ہوسکتی ہیں۔

13- وہ جانتے ہوں کہ جب روح،علم وعبادت کے مہیب اسلحہ سے مسلح ہوجائے تو اس کی یلغار کو نہ صحرا اور دریا روک سکتے ہیں۔نہ قیصر وکسریٰ۔حیات کا انحصار نہ عسکری قوت پر ہے۔نہ فراوانی دولت پر۔بلکہ اس کا تعلق ایک آسمانی شعلے سے ہے۔جو عزم،عدل،بےنفسی اورنازو نیاز کی صورت میں نمودار ہوتا ہے اوراحکام الٰہی اس حد تک روح میں سرایت کرجاتے ہیں کہ رضائے الٰہی مقصود حیات بن جاتی ہے۔اسلام چند عقائد واعمال کا نام نہیں بلکہ یہ ایک مستقل ذہنیت ہے جو اللہ کے تصور سے جنم لیتی ہے اورانصاف وصداقت کی آغوش میں جواں ہوتی ہے۔

غلط طبقہ بندی

اسلام نے رنگ ونسل اور جاہ وثروت کے امتیازات کو ختم کرنے کے بعد صرف تقویٰ و علم کو مدارِ عظمت قرار دیا تھا۔

اللہ کے ہاں سب سے بڑا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔(حجرات 13)

اللہ ان لوگوں کو بلند درجات عطاء کرتا ہے جو ایمان اور علم کے مالک ہوں (مجادلہ 11)

لیکن رنگ ونسب پہ اترانے کی بیماری بعد از اسلام بھی باقی رہی۔غسان کے والی جبلہ بن ایہم کا واقعہ آپ کو یاد ہوگا کہ اس نے ایک بدو کو اس بنا پر کہ اس کا پاؤں نادانستہ اس کے جامہ احرام پہ پڑ گیا تھا، تھپڑ کھینچ مارا۔جب حضرت عمرؓ نے بدو کو ویسا ہی تھپڑ رسید کرنے کا حکم دیا تو جبلہ نے احتجاجاً کہا کہ میں ایک سلطنت کا والی ہوں اور یہ محض ایک بدو۔ہم دونوں برابر نہیں ہو سکتے تو عمرؓ نے فرمایا کہ اسلامی قانون کی نگاہ میں امیر وغریب سب مساوی ہیں اس پر جبلہ مرتد ہو کر واپس چلا گیا۔

اسلام لانے کے بعد بھی اکا دکا عرب اپنی برتری کے قائل رہے۔اس کا اثر یہ ہوا کہ بہت سے غیر عربوں نے اپنا نسب تبدیل کر لیا۔کوئی اموی بن گیا اور کوئی تمیمی۔کوئی سید اور کوئی قریشی۔جب عمر بن عبد العزیز نے دو موالی کو مصر کا قاضی مقرر کیا تو اس پر بعض عربوں نے احتجاج کیا تھا۔لیکن رفتہ رفتہ نسلی برتری کا احساس ختم ہو گیا اور غلام بھی تاج وتخت کے مالک بن گئے۔ مثلاً مما لک مصر، ہند کا خاندان غلامان، اتابک وغیرہ۔اور لونڈیوں نے بادشاہوں کو جنم دیا۔پہلے تین عباسی خلفا کے بعد اس سلسلے کے دیگر تمام خلفاء عجمی لڑکیوں، حبشنوں اور کنیزوں کی اولاد تھے

فضل بن یحییٰ نے انسانوں کے چار طبقات بنائے تھے:

اول: سلاطین وخلفا دوئم: وزراء

سوئم: امرائے دولت (حکام وسرمایہ دار)

چہارم: علماء قضاۃ اور فلاسفہ۔

اس غلط طبقہ بندی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل علم و فلسفہ درباروں سے متنفر ہو گئے ۔ بادشاہ عموماً نا اہل خوشامدیوں میں محصور ہو کر رہ گیا ۔ ان لوگوں نے اس کی حماقتوں کو دانش کا رنگ دیا اور ہر نامعقول بات پر واہ واہ کے ڈونگرے برسائے ۔ اس صورت حال کا نتیجہ یہ نکلا کہ بادشاہ کی نامقبولیت میں اضافہ ہو گیا ۔ ملک میں اضطراب پھیل گیا اور علماء عوام بادشاہ کی تباہی کے لئے دعائیں مانگنے لگے

جب حالات یہ صورت اختیار کر لیں تو عموماً بادشاہ عوام سے انتقام لینے کے لئے ظلم و ستم پہ اتر آتا ہے ۔ وہ ان کے دانشوروں کو جیلوں میں ڈالتا ، عوام کو لتاڑتا اور ان کے بچوں پہ گولیاں چلاتا ہے ۔ یہ صورت آج کئی ملکوں میں موجود ہے

اللہ کا عذاب مختلف صورتوں میں آیا کرتا ہے ۔ کبھی زلزلہ کبھی سیلاب ، کبھی قحط اور کبھی مرض کی شکل میں لیکن عذاب کی بدترین صورت یہ ہے کہ کسی قوم پر ایک عیاش ، حریص ، بدمست ، بدکار اور سنگدل امیر مسلط ہو جائے ۔

گو ہم پاکستانی ایک آزاد قوم ہیں اور مسلمان بھی ۔ لیکن ہمارے ہاں ابھی تک وہی اقدار رائج ہیں جو اورنگ زیب کے بعد دربار مغلیہ اور پھر برطانوی ہند میں نافذ رہیں ۔ آپ نے سرکاری تقریبات میں دیکھا ہو گا کہ صف اول میں وزراء دوسری میں حکام اعلیٰ تیسری میں سرمایہ دار اور چوتھی میں مجسٹریٹ وغیرہ ہوتے ہیں ۔ علماء و اہل قلم کو ، خواہ ان کی ساری زندگی تدریس و تصنیف میں گزری ہو ، قطعاً کوئی نہیں پوچھتا ایک قوم کا وقار علم سے ہوتا ہے ۔ تاتاریوں کو صرف اس لئے وحشی کہا جاتا ہے کہ ان کے پاس علم نہیں تھا ۔ علم وہ روشنی ہے جو زندگی کی راہوں کو جگمگاتی ہے وہ قوت ہے جو سمندروں اور پہاڑوں سے خزانے نکال لاتی ہے ۔ اور وہ سوچ نمو ہے جو فکر و فلسفہ بن کر حیات کو خون تازہ بہم پہنچاتی ہے ۔ عالم و فلسفی کا مقام امیر کارواں کا سا ہے ۔ یہ نہ ہو تو ایک بدمست سلطان کو کیا خبر کہ زندگی کی راہ کون سی ہے اور منزل کہاں ؟ حیرت ہے کہ یہ انسانیت کے اتنے بڑے محسن کو یا تو اپنی تقریبات میں بلاتا ہی نہیں اور اگر بلا بیٹھے تو اسے آخری صف میں بٹھاتا ہے اور اس سے ہاتھ ملانا بھی گوارا نہیں کرتا ۔

آدابِ تلاوتِ قرآن پاک

(ارم صبا۔ ملتان)

تلاوتِ قرآن کا اصل مقصود تعمیر انسانیت اور تشکیل سیرت ہے۔ جب تک پڑھنے والے کو اس کتابِ مقدس سے دلی لگاؤ نہیں ہوگا تب تک یہ مقصد حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس لگاؤ کو پیدا کرنے کے لئے مشائخ اسلام نے تلاوت قرآن کے کچھ ظاہری اور کچھ باطنی آداب بیان فرمائے ہیں جن کی پابندی سے قرآن مجید سے فیض یاب ہونے میں مدد ملتی ہے۔

عارف کامل امام غزالیؒ نے اپنی مشہور کتاب "احیاء علوم الدین۔" میں ان ظاہری اور باطنی آداب کو بیان فرمایا ہے۔

تلاوتِ قرآن کے ظاہری آداب

(1) تلاوت کرنے والے کیلئے ضروری ہے کہ باوضو ہو، قبلہ رو کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر بڑے ادب و سکون، خشوع خضوع اور حضوری قلب کے ساتھ تلاوت کرے۔

(2) تلاوت سے قبل یا درمیان میں کوئی گفتگو کرنے کے بعد تعوّذ (اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم) اور تسمیہ (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) پڑھے۔

(3) تلاوت قرآن سے مقصود اسے صحیح طور پر سمجھنا اور ہدایت حاصل کرنا ہے ایک دن میں پورا قرآن ختم کرنے سے مطلوبہ فیض اور مقصود حاصل نہیں ہوتا۔ حضور پاک ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس نے قرآن کو تین دنوں سے کم میں پڑھا اُس نے اسے سمجھا ہی نہیں۔"

(4) ترتیل یعنی ٹھہر ٹھہر کر آہستہ آہستہ پڑھنا کیونکہ اسی صورت میں ہی انسان آیات پر غور و فکر کرسکتا ہے

(5) دوران تلاوت رو رو کر رحمت الٰہی کو متوجہ کیا جائے، اگر رونا نہ آئے تو رونے کی کوشش کرے۔

(6) جو آیت پڑھے اس کا حق ادا کرے اور ہر آیت پر اسی کا تاثر اپنے اوپر وارد کرے۔

(7) حروف کے مخارج صحیح طور پر ادا کرنے کی کوشش کرے اور رموز و اوقاف کا خیال رکھے تا کہ معنی بدل نہ جائیں۔ تلاوت کی آواز کم از کم اتنی ضرور ہو کہ خود سن سکے۔

(8) تکلف اور ریاء کاری کے بغیر جتنا ممکن ہو قرآن کو خوش الحانی کے ساتھ پڑھے۔ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ قرآن کو خوش آوازی و خوش الحانی سے مزین کرو"۔

(9) آیت سجدہ پڑھے یا سنے تو سجدۂ تلاوت کرے۔

تلاوتِ قرآن کے باطنی آداب

تلاوت کے دوران میں ان باطنی آداب و شرائط کا ملحوظ رکھنا باعث برکت و سعادت ہے

(1) پڑھنے والے کا دل و دماغ اس مقدس کتاب اور اسے نازل فرمانے والے کریم ربّ کی عظمت سے لبریز ہو۔ اسے یہ احساس ہو کہ یہ کتاب کوئی معمولی کتاب نہیں ہے بلکہ اسے ربّ العالمین نے اپنے حبیب رحمۃ اللعالمین محمد مصطفی ﷺ کے قلب اطہر پر انسانیت کی ہدایت کیلئے نازل فرمایا ہے۔

(2) بوقت تلاوت دل تمام تفکرات، وسوسوں اور اندیشوں سے پاک ہو اور مکمل یکسوئی ہو۔

(3) فکر و تدبّر کے ذریعے قرآن حکیم کی آیات کے اسرار و رموز تک پہنچنے کی کوشش کی جائے۔

(5) دوران تلاوت نفس کی پیدا کردہ مصلحتوں، خواہشات اور ماحول کی مجبوریوں کو پس پشت ڈال دے اور فیوض قرآن سے حصول کی راہ میں کسی چیز کو حائل نہ ہونے دے۔

(6) قرآن کو سمجھنے کے لئے اپنی فہم و علم و دانش پر ہرگز بھروسہ نہ کرے بلکہ ہر لحہ اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت اور رحم و کرم پر کامل یقین رکھے اور قدم قدم پر اپنے کریم ربّ کی رہنمائی اور دستگیری کی التجاء کرتا رہے۔

علامہ اقبالؒ نے اپنے قرآن مجید پڑھنے کے سلسلہ میں ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ ان کا یہ ہمیشہ کا دستور تھا کہ روزانہ بعد نماز فجر قرآن مجید کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ اقبال کے والد جب انہیں دیکھتے تو فرماتے کیا کر رہے ہو۔ اقبال جواب دیتے قرآن پڑھ رہا ہوں۔ کچھ دنوں تک

یہ سلسلہ جاری رہا۔آخر ایک دن اقبال نے پوچھا ابا جان آپ مجھ سے روزانہ پوچھتے ہیں اور میں ایک ہی جواب دیتا ہوں اور پھر آپ خاموش چلے جاتے ہیں ۔تو انہوں نے جواب دیا "میں تم سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تم قرآن اسطرح پڑھا کرو کہ جیسے قرآن اسی وقت تم پر نازل ہو رہا ہے "اس کے بعد سے اقبال نے قرآن برابر سمجھ کر پڑھنا شروع کیا اور اسطرح کہ گویا وہ واقعی ان پر نازہو رہا ہے۔علامہ اقبال نے اپنی پوری زندگی قرآن مجید میں غور وفکر اور تدبر و تفکر کرتے گزاری ۔قرآن مجید پڑھتے ،قرآن سوچتے ،قرآن بولتے ۔آپؒ فرماتے تھے کہ "میں اس گھر کو صد ہزار تحسین کے قابل سمجھتا ہوں جس گھر میں علی الصبح تلاوت قرآن مجید کی آواز آئے ۔یعنی تلاوت ہو اور آواز کے ساتھ ہو

خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی نظر میں تلاوتِ قرآن کے آداب ۔

بہتر تو یہی ہے کہ تلاوت فجر کی نماز کے بعد کی جائے ۔یہ ممکن نہ ہو تو پھر جب بھی وقت ملے کم از کم پاؤ پارہ کی تلاوت ضرور کرنی چاہئے ۔اس کا طریقہ یہ ہے کہ با آواز بلند نہایت خوش الحانی سے قرآن کریم پڑھو اور معنی و مطلب کی طرف مطلق دھیان نہ دو ،صرف الفاظ کی ترتیل کا خیال رکھو اور تصور یہ کرو کہ تم جو آواز سن رہے ہو اللہ تعالیٰ کی آواز ہے ،وہ خود اپنا کلام پڑھ رہا ہے اور تم سن رہے ہو۔جب تلاوت ختم ہو جائے تو اسی کو معنی اور مطلب سمجھ کر آہستہ آہستہ پڑھو ۔ایک نوٹ بک پاس رکھو جو مفید مطلب بات نظر آئے ،اسے لکھ لو اور اس پر عمل کرو ۔

مندرجہ بالا ظاہری اور باطنی شرائط آداب کو ملحوظ رکھ کر تلاوت کلام پاک کی جائے تو یقیناً قرآن کے انوار انسان کے سینہ پر نازل ہونگے اور اس کلام پاک کی حقیقی برکت حاصل ہوگی نیز اجر و ثواب میں بھی اضافہ ہوگا اور زندگی کی تمام مشکلات از خود حل ہو جائیں گی۔ حدیث پاک کی رو سے یہ قرآن قیامت کے دن ایسے پڑھنے والوں کیے لئے سفارش بھی کرے گا اور اسکی سفارش قبول بھی کی جائیگی۔

نفس کی پاسداری

(عبدالرشید ساہی)

نفس وہ قوت ہے جو انسان کو کسی کام کے کرنے کی طرف ابھارتی ہے اور نفس انسان کے دل میں خواہشات کے تقاضے پیدا کرتا رہتا ہے۔ اگر انسان اپنے نفس کو بے لگام، بے مہار چھوڑ دے اور جو لذت کے حصول کا تقاضہ پیدا ہو، اس پر عمل کرتا جائے، اس کی ہر بات مانتا جائے تو اس کے نتیجے میں پھر وہ انسان، انسان نہیں رہتا بلکہ جانور بن جاتا ہے۔ اس نفس کی خاصیت یہ ہے کہ ایک لطف اٹھانے کے بعد فوراً دوسری لذّت کی طرف بڑھتا ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ نفسانی خواہشات کے پیچھے چل کر سکون حاصل کرلیں تو ساری عمر کبھی سکون نہیں ملے گا۔ بلکہ ایک خواہش، دوسری خواہش کو ابھارتی ہے۔ اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ نفسانی خواہشات کے پیچھے مت چلو، ان کی پیروی مت کرو، اس لئے کہ وہ ہلاکت کے گھڑے میں ڈال دے گا۔ نفس کو قابو میں رکھو، کنٹرول میں، اس کو شریعت کی لگام دو۔ نفس کو اپنے کنٹرول میں رکھنا بہت دشوار کام ہے۔ لیکن جب انسان نفس کے سامنے ڈٹ جاتا ہے تو یہ نفسانی خواہشات خود بخود ڈھیلی پڑنی شروع ہوجاتی ہیں۔ یہ نفس اور شیطان کمزور کے اوپر شیر ہیں، جو نفس کے سامنے بھیگی بلی بنا رہے، اور اسکے تقاضوں پر چلتا رہے، اس کے اوپر چھا جاتا ہے اور غالب آجاتا ہے۔ علامہ بوصیریؒ نے اپنے قصیدہ بردہ شریف میں ایک حکیمانہ شعر کہا ہے کہ یہ انسان کا نفس دودھ پیتے بچے کی طرح ہے، اس سے دودھ چھڑانے کی کوشش کرو تو روئے گا، شور کریگا۔ اگر بچے کو دودھ پینے کی حالت میں چھوڑ دیا جائے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ جوان ہوجائیگا اور اس سے دودھ نہیں چھوٹ پائیگا۔ اسی طرح نفس کو کنٹرول کرنے کیلئے سختی کرنا پڑتی ہے۔

جو کوئی چاہے کہ میں اللہ کو پہچان لوں اور اس کے قرب کی معرفت پالوں اور اللہ میری رگ وجاں کے قریب آجائے تو اس کو چاہیے کہ پہلے اپنے نفس کو پہچانے حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے۔

"جس نے اپنے نفس کو پہچانا بے شک اس نے اپنے ربّ کو پہچانا"۔ نفس چونکہ وجود کے اندر چھپا ہوا ہے اس لئے باطنی وغیبی نفس کو باطنی، غیبی ریاضت ہی جلاتی ہے جو اپنے نفس کو طابع نہیں کرتا اور اسے راہ حق پر نہیں چلاتا اور چاہتا یہ ہے کہ میں اللہ کو پہچان لوں اور اللہ تعالیٰ کے قرب کی معرفت پا لوں اور اللہ تعالیٰ تک رسائی حاصل کر لوں تو اللہ کی قسم اس کا اللہ تعالیٰ تک پہنچنا محال ہے کہ ہوا و ہوس کی بستی میں نفس بادشاہ ہے اور شیطان اس کا وزیر ہے اسی سبب سے اہل نفس پریشان حال رہتے ہیں اگر ساری دنیا کو اس کی ملکیت میں دے دیا جائے تو تب بھی اس حریص کا پیٹ نہیں بھرتا تو جان لو کہ نفس، ہوا کی مثل ہے اس لئے اہل نفس کا ہر کام میں فتنہ و فساد ہے نفس ظلم کر کے ابن آدم کا خون پیتا ہے گویا اہل نفس کی بنیاد ہوا و حرص پر ہے۔ جس نے نفس سے خواہشات کو جدا کیا اس نے پالیا معرفت، قرب اللہ وندی کو اور پا گیا مقام حق کو اور حضوری مجلس مصطفیٰ ﷺ کو۔ جس نے جدا کی نفس سے ہوا و ہوس وہ مثل آئینہ بن گیا اور روشن ضمیر ہو گیا۔ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ فرماتے تھے کہ قلب انسانی بلب کی طرح ہے، بلب بھی اس وقت روشنی فراہم کرتا ہے جگمگاتا ہے جب اس میں سے ہوا نکال دی جاتی ہے اور ویکیوم کر دیا جاتا ہے اگر بلب میں ہوا ہو تو وہ روشنی نہیں دیتا، تاریں سرخ ضرور ہوتی ہیں اسی طرح دل بلب کی مانند ہے اس میں ہوا و ہوس موجود ہو تو یہ صرف عبادت و ریاضت سے گرم ہوتا ہے روشنی صرف اسی صورت میں دے گا جب اس میں سے ہوا و ہوس کو نکال باہر کیا جائے۔

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔"انسان کے ہاتھ میں عشق کی تلوار اس وقت آتی ہے جب وہ اپنے دل کو ہوا و ہوس سے پاک کر دیتا ہے"۔

نفس کو ہوا و ہوس سے پاک کرنے کی توفیق بھی مرشد کامل کی عطا سے نصیب ہوتی ہے مرشد کامل اپنے مرید کو پہلے روز ہی یہ سبق دیتا ہے کہ اپنے نفس کو تابع فرمان کر کے اہلِ صفا میں شامل ہو جا۔ نفس کی انانیت و ہستی کو فنا کر دے اسی میں دو عالم کی کامیابی کا راز پوشیدہ ہے۔

یہ کام اسم ذات کا تصور کرنے سے تکمیل پاتا ہے یہ بات میرے ذاتی مشاہدہ میں آئی ہے

جب سے مرشد کریم نے اسم اعظم، اسم ذات یعنی اللہ تعالیٰ کا کثرت کے ساتھ ذکر کرنے کی تلقین فرمائی اور اس ذات حق کا تصور سانسوں کے ساتھ منسلک کرنے کی تلقین فرمائی ہے اس وقت سے ہی تقریباً بے خودی و بے نیازی کی کیفیت طاری رہتی ہے یہ کیفیت صرف اور صرف اس ذات (اللہ) کے تصور سے پیدا ہوتی ہے اسی طرح اگر آپ اللہ تعالیٰ کے کسی بھی صفت والے اسم کا تصور کریں گےتو ہوسکتا ہے کہ آپ کے قلب پر اس صفت والے رنگ آنے شروع ہوجائیں۔

اسم ذات (اللہ) کا ذکر اسم اعظم ہے۔ یہ رب کریم کا ذاتی نام ہے باقی سب صفاتی نام ہیں لیکن اس نام کے ذکر کے ساتھ ساتھ ضروری ہے کہ اپنے نفس کو خواہشات سے بچایا جائے تو قلب کے تصفیہ اور نفس کے تزکیہ میں خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوگا۔

مقام فنا صرف اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب انسان من مرضی کی زندگی ترک کر کے مولا مرضی کی زندگی گزارنے لگتا ہے اس وقت انسان کو وہ مقام حاصل ہوتا ہے جس کا ذکر رب کریم نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ "میں انسان کی رگ جان سے بھی قریب ہوتا ہوں"۔ محترم پیرو مرشد محمد صدیق ڈار صاحب نے اپنے کلام میں لکھا ہے۔

پیار دنیا دا دل وچوں کڈھ دے — اوہدے بندیاں نوں دکھ دینے چھڈ دے
اوہدی رضا اتے راضی ناواں کرلے — تے یار تینوں مل جائے گا۔

معاشرے میں بگاڑ کی اصل وجہ قرآن سے دوری ہے:

اکثر دوستوں کی محفل میں بات ہوتی ہے کہ قرآن پاک کی تلاوت روزانہ کرتا ہوں مگر اثرات ظاہر نہیں ہوتے حضوری نصیب نہیں ہوتی۔ میرا جواب یہ ہوتا ہے کہ ہم قرآن مجید کی تلاوت حصول ثواب وایصال ثواب کی خاطر کرتے ہیں اس کو اپنے آئین اور قانون کی کتاب کے طور پر مطالعہ نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم تجلیات سے محروم رہتے ہیں اور ہمارے دل کی دنیا تبدیل نہیں ہوتی۔ قرآن پاک لاریب کتاب ہے اس کا صرف مطالعہ نہیں کرنا بلکہ اس کے

مطابق زندگی گزارنے کی کوشش کرنی ہے علامہ اقبالؒ کو ان کے والد صاحب نے فرمایا تھا کہ اقبال قرآن پاک کی تلاوت ایسے کیا کرو جیسے قرآن پاک تم پر نازل ہورہا ہے۔

اسلام اطاعت کُلی یعنی سارے کا سارا عمل کا نام ہے ہمارا اسلام لفظی ہے اس کو عملی طور پر نافذ نہیں کر پائے ہیں یہی وجہ ہے کہ ہم زندگی کے سارے شعبوں میں ناکام ہورہے ہیں علامہ فرماتے ہیں تیری ساری کی ساری خواری صرف قرآن سے دوری کی وجہ سے ہے۔فرد واحد کی زندگی میں بے سکونی ہے کنبہ بے زار ہے،خاندانوں اور برادریوں میں انتشار ہے۔ملکوں میں افرا تفری اور لاقانونیت کا راج ہے قانون کی حکمرانی ختم ہو چکی ہے عدالتوں میں عدل نہیں،ظلم ہورہا ہے مظلوم کی فریاد اور آہیں سننے والے چپ ہیں حاکم کی عزت اس صورت ہوگی جب عدل کی فرمانروائی ہوگی۔

بلاشبہ چیف جسٹس آف پاکستان محترم افتخار محمد چوہدری صاحب بہترین انسان،ایک اچھے مسلمان،محبِ وطن پاکستانی ہیں ان کے سینے میں غریب کا،مظلوم کا درد موجود ہے فیصلوں میں انصاف واضح نظر آتا ہے لیکن یہ انصاف صرف سپریم کورٹ آف پاکستان میں ہی نہیں بلکہ ماتحت عدالتوں میں بھی نظر آنا چاہیے۔جو صورت حال عدالتوں میں پیدا ہو چکی ہے یہ بڑی پریشان کن ہے جج صاحبان انصاف نہیں کرتے اسی وجہ سے سائل جو مظلوم ہوتے ہیں ججوں کا احترام نہیں کرتے اسی وجہ سے اکثر عدالتیں میدان جنگ کا نقشہ پیش کرتی ہیں۔وکلاء حضرات ہمارے ملک کا بہترین پڑھا لکھا طبقہ ہیں مگر یہ بھی عدل نہیں ظلم کا ساتھ دیتے ہیں۔میں محترم چیف جسٹس تک یہ بات پہنچانا چاہتا ہوں کہ عدالتوں میں وکلاء حضرات تاریخ پر کئی کئی بار پیش نہیں ہوتے بہانے تراش لیتے ہیں۔اس طرح دوسرے فریق کو بے جا تنگ کیا جاتا ہے مقدمہ کی سماعت کا طریقہ کار لمبا کر کے انصاف کا خون کردیا جاتا ہے اس بات کی اصلاح کے لئے ضابطہ ہونا چاہیے بات ہورہی تھی نفس کی پاسداری کی معاملہ عدالتوں کی طرف چلا گیا دراصل معاشرتی برائیوں کی نشاندہی رائٹر کا فرض بنتا ہے۔

معاشرے کی زبوں حالی:

دراصل دنیا کا بیار انسان کو اللہ کے قرب میں نہیں جانے دیتا دنیا کے اس بیار نے گھروں کا سکون برباد کیا قبیلے متاثر کئے اور ملکوں کا سکون بھی لوٹ لیا گیا۔ خود اپنے ملک پاکستان کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں کس کس نے رہنمائی کے نقاب میں رہزنی نہیں کی، کس کس نے اس قوم کو سبز باغ نہیں دکھائے۔ کبھی جمہوریت، کبھی سوشلزم، کبھی اسلام، کبھی روشن خیالی، جادوگروں نے کیا کیا کھیل نہیں کھیلے عوام یقین کرتے رہے۔ اور لٹیرے اس یقین کی قیمتیں وصول کر کے اپنی تجوریاں بھرتے رہے عوام کے کچے کوٹھے گرتے رہے اور دوسری جانب محل، حویلیاں اور بنگلے بنتے رہے جو بھی آیا وہ عوام کی قبروں پر اپنی خواہشات کے سرے محل تعمیر کرتا رہا۔

دُعائے مغفرت

(1) گوجرانوالا کے بھائی محمد مالک کی والدہ بقضائے الٰہی وفات پا گئی ہیں

(2) لاہور کے بھائی امین اختر لون کے جواں سال نواسہ حسنین بھائی جو حرکت قلب بند ہونے سے وفات پا گئے ہیں (ان للہ و انا الیہ راجعون)

تمام بھائی مرحومین کی مغفرت کیلئے دعافرمائیں

علامہ اقبالؒ کا عشق رسول ﷺ

(انتخاب:شہزاد محمود)

تو غنی اَز ہر دو عالم مَن فقیر
روزِ محشر عُذر ہائے مَن پذیر
گر تو می بینی حِسابم نا گزیر
اَز نگاہِ مصطفیٰ ﷺ پنہاں بگیر

ترجمہ

اے مولائے کریم! تو دونوں جہانوں سے غنی و بے پرواہ ہے اور میں ایک لاچار عاجز انسان اور فقیر بے نوا ہوں، میری عاجزانہ درخواست ہے کہ روزِ قیامت میرے گناہوں کا عذر سننا اور انہیں پذیرائی بخشنا اور اپنے عفو و کرم اور رحم و کرم کا معاملہ فرمانا، اے ربّ العزت! اگر تو فیصلہ کرے کہ روزِ قیامت میرا حساب کتاب لینا ناگزیر اور ضروری ہے اور ٹل نہیں سکتا تو اے مالک! میری ایک عاجزانہ درخواست قبول فرما کہ میرا حساب کتاب جناب سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے سامنے نہ لینا۔ اُنکی پاک نگاہوں سے اوجھل میرا محاسبہ کرنا میں گناہ گار اُمتی آنحضرت ﷺ کا سامنا نہیں کر سکوں گا۔

☆☆☆

قرون اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوّف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پید ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔

کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اس میں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔ سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔ زوال اُمت میں اُمراء، علماء، صوفیاء کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔ تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوّف کے انسانی زندگی پر اثرات۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔

یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کردیئے ہیں جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔ مصنفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کر دیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریۂ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔
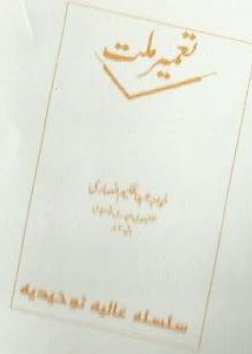
مکتبہ توحیدیہ کی مطبوعات

مقصودِ حیات

مصنف: محمد صدیق ڈار توحیدی (شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ)

یہ کتاب شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب کے سالانہ خطبات پر مشتمل ہے۔ جو انہوں نے سلسلہ توحیدیہ کے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے۔ اِس میں تصوف کی تعلیمات کو قرآن کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے۔ اور یہ بتایا گیا ہے کہ تصوف اسلام اور قرآن سے باہر کی کوئی چیز نہیں بلکہ یہ عین قرآن کے احکامات کا نام ہے اور قرآن جس طرح کے بندۂ مومن کی تصویر پیش کرتا ہے وہ بلاشبہ ایک سچے صوفی کا ہی روپ ہے۔ قرآن پاک کے حقیقی پیغام کو آسان پیرائے میں سمجھنے کیلئے یہ کتاب سالکانِ راہ حق کیلئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔
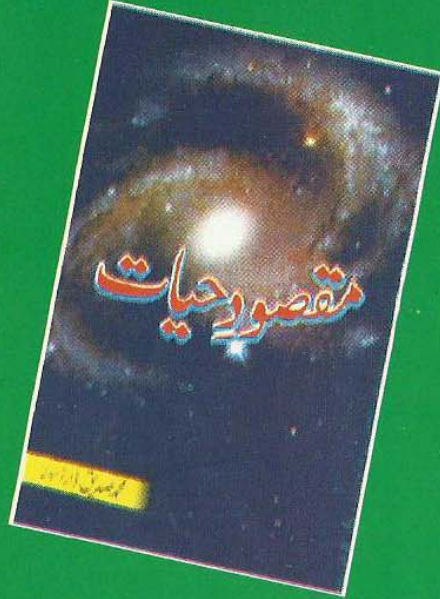
بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ ور آپکے دوست اور محسن رسالدار محمد حنیف خانؒ کی سوانح حیات کیساتھ اِس کتاب میں قبلہ انصاری صاحبؒ کی مجالس کا تذکرہ اور اپنے مریدوں کو مختلف اوقات میں لکھے ہوئے خطوط شامل کیے گئے ہیں۔

قبلہ حضرت کی مجالس میں بیان کیے گئے چھوٹے چھوٹے واقعات نہایت سبق آموز اور راہ سلوک کے مسافروں کے علاوہ عام قارئین کیلئے بھی یکساں دلچسپی کا باعث ہیں۔ آپکے لکھے ہوئے جوابی خطوط میں بھائیوں کیلئے دینی و دنیاوی اور روحانی مشکلات کے حل کا سامان موجود ہے۔ نہ صرف اِن کیلئے جن کو یہ خطوط لکھے گئے بلکہ اب بھی ہر پڑھنے والے کیلئے فائدے کا سبب ہیں۔
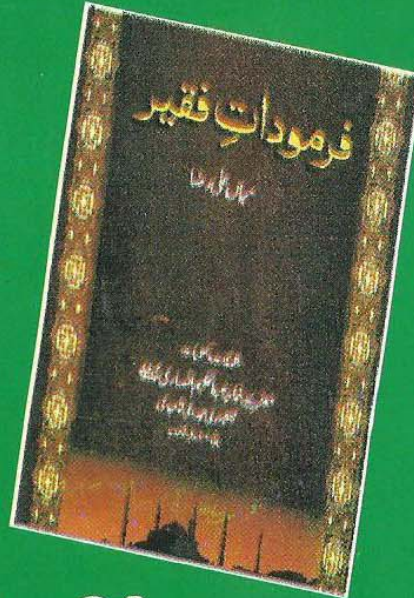
Reg: CPL - 01

Website:www.toheedia.net